اوشحۃ الجید فی اثبات التقلید

حضرت علامہ ظہیر احسن شوق نیمویؒ

علامہ سید سلیمان ندوی اکیڈمی استھاواں، بہار شریف

بار دوم

نام کتاب : اوشحۃ الجید فی اثبات التقلید

نام مصنف : علامہ ظہیر احسن شوق نیموی

سنہ اشاعت : ۱۴۴۱ھ مطابق ۲۰۲۰ء

ناشر : علامہ سید سلیمان ندوی اکیڈمی استھاواں، بہار شریف

صفحات : ۱۲۹

قیمت : ۵۰

فہرست

عرض ناشر

بیسویں صدی مسلمانوں کے لیے اس حیثیت سے اہمیت کی حامل ہے کہ اس میں اہل حدیث طبقہ کی سرگرمیاں عام ہوئیں اور احناف واہل حدیث کے درمیان چند اہم مسائل ومباحث میں خوب مناظرے ہوئے، اس سلسلہ میں ائمہ کی تقلید بھی موضوع بحث بنی اور ہندوستانی علمائے اہل حدیث نے تقلید کے عدم جواز اور علمائے احناف نے اس کے اثبات وتائید میں اس قدر لکھا کہ جو موضوع متقدمین کی توجہ خاطر خواہ نہیں حاصل کرسکا تھا اس صدی کے ابتدائی دور میں ایک درجن سے زائد کتابیں اس موضوع پر وجود میں آگئیں۔ اگرچہ یہ درست ہے کہ اس موضوع پر سب سے پہلا رسالہ اس سلسلہ کے اوّلین بزرگ جن کے انتساب پر دونوں طبقوں کو اصرار ہے یعنی حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی ہی کے قلم سے نظر آتا ہے لیکن اس میں کسی بحث کا اثبات یا تردید مقصود نہیں تھی بلکہ حضرت شاہ صاحب کے اپنے مجتہدانہ نظریات کے ساتھ اجتہاد وتقلید کی تشریح وتفصیل ہے جس کا مناظرہ سے کوئی تعلق نہیں۔ اس کے علاوہ اس موضوع پر چند کتابیں وجود میں آئیں ان میں مولانا سید عبدالحی حسنی مورخ ہند نے اپنی کتاب ''اسلامی علوم وفنون ہندستان میں'' میں اس موضوع پر حسب ذیل کتابوں کے نام ذکر کیے ہیں:

۱۔ دراسات اللبیب فی الاوۃ الحسنۃ بالحبیب مصنفہ شیخ محمد معین سندھی۔

۲۔ عتصام السنۃ وقامع البدعۃ از شیخ عبداللہ صدیقی الٰہ آبادی۔

۳۔ السیف المسلول فی ذم التقلید المخذول از شیخ عبداللہ صدیقی الٰہ آبادی۔

۴۔ صمصام الحدید السلول فی قطع لعاویذ البدع والرأی والمذاہب والتقلید۔ از شیخ عبداللہ صدیقی الٰہ آبادی۔

۵۔ سیف الحدید فی قطع المذاہب والتقلید۔ از شیخ عبداللہ صدیقی الٰہ آبادی۔

۶۔العروۃ المتین فی اتباع سنۃ سید المرسلین۔از شیخ عبداللہ صدیقی الہ آبادی۔
۷۔الدر الفرید فی المنع عن التقلید مولانا عبدالحق نیوتنی۔
۸۔معیار الحق مولانا سید نذیر حسین دہلوی۔
۹۔تنویر الحق مولانا قطب الدین بن محی الدین دہلوی۔
یہ کتابیں فارسی زبان میں تھیں۔
توقیر الحق شیخ قطب الدین دہلوی اردو میں۔
مدار الحق فی الرد علی معیار الحق از شیخ محمد شاہ صدیقی سہروردی۔
انتصار الحق فی الرد علی معیار الحق مولانا ارشاد حسین رامپوری۔
الشہید فی بیان التقلید (فارسی) مولانا عبدالسلام سہوی حسینی۔
اوتار الحدید لمنکر الاجتہاد والتقلید (فارسی) مولانا لطف اللہ لکھنوی۔
ارشاد البلید فی اثبات التقلید مولانا نصیر اللہ خاں خورجوی۔
التہدید فی وجوب التقلید مولانا عبدالسبحان ناروی الہ آبادی۔
القول المزید فی احکام التقلید (اردو) مولانا ابو محمد ابراہیم آروی۔
الشہید فی التقلید (اردو) مولانا ابو محمد ابراہم آروی۔
الشہید فی التقلید (اردو) مولانا مشتاق احمد امیٹھوی۔
القول السدید فی اثبات التقلید (عربی) مولانا فتح محمد لکھنوی ثاقب۔
ہدایۃ الآنام فی اثبات تقلید الائمۃ الکرام مولانا خادم احمد لکھنوی۔
سیف الابرار السلول علی الفجار شیخ عبدالرحمٰن سلہٹی۔
اس میں مصنف نے تقلید شخصی کو واجب قرار دیا ہے۔

المنهج السید فی ردالتقلید (اردو) مولانا عبداللہ خان شاہ آبادی۔

حدیث الأذکیاء المقلب بشہاب الثاقب عربی میں ضخیم جلد میں ہے از سید احمد حسین قنوجی۔

الجنۃ فی الأسوۃ الحسنۃ (عربی) علامہ نواب سید صدیق حسن بھوپالی۔

الطریقۃ المثلی فی الارشاد إلی ترک التقلید واتباع موھوأولی۔

بزبان عربی نواب صدیق حسن خان صاحب نے ۱۲۵۵ھ میں اپنے لڑکے نواب سید نورالحسن کے نام سے لکھی ہے۔

الاقلید لأدلۃ الاجتہاد والتقلید عربی میں ہے اور نواب صاحب مذکور لیکن ان کے فرزند نواب سید علی حسن خان کے نام سے منسوب ہے۔

فیض الفیوض (فارسی) مولانا فیاض علی عظیم آبادی صادق پوری۔

العمل بالحدیث (فارسی) از مولانا ولایت علی عظیم آبادی صادق پوری۔

سیف المقلدین (اردو) مولانا دوست محمد دیناجپوری۔

القول السدید فی وجوب التقلید (عربی) محمد جاہ صدیقی دہلوی۔

تنبیہ الضالین وہدایۃ الصالحین علماء حرمین اور علماء ہند بالخصوص حضرت سید احمد شہید علیہ الرحمہ کے متبعین کے فتاویٰ کا مجموعہ ہے، اس مجموعہ میں تقلید کے جواز اور فقہ کے چاروں مذاہب کے چھوڑ دینے کی تردید میں فتاوے میں جن کو کلکتہ کے کسی عالم نے مرتب کیا ہے۔

تحفۃ العرب والعجم (بزبان اردو) تقلید شخص کے جواز پر علماء کے فتاووں کا مجموعہ مرتبہ مولانا قطب الدین دہلوی۔

الشدید فی اثبات التقلید از مولانا لطف الرحمٰن۔

التشدید علی مؤلف التسدید (عربی) مولانا خدابخش ہرہر گنجی۔

الدرالفرید فی بیان المقلد والتقلید (اردو) اس میں تقلید کا ابطال از مولانا حکیم پناہ اللہ چناروی اعظمی۔

تاسیس التوحید فی ابطال وجوب التقلید از مولانا عبدالرحمٰن غازی پوری۔(۱)

اس تفصیلی فہرست سے ان دو صدیوں اس موضوع کی اہمیت اور گرم بازاری کا کچھ اندازہ ہوسکے گا، اس کا آغاز حضرت شاہ ولی اللہ اپنے خاص نظریہ کے پیش کیا تھا لیکن ان کے جلد ہی اس موضوع پر غالباً تقلید کی تردید میں ایک ہی مصنف مولانا عبداللہ صدیقی الہ آبادی کی کئی کتابیں منظر عام پر آئیں۔

ہم نے یہ فہرست مولانا سید عبدالحی حسنی کے حوالہ سے جوں کی توں نقل کی ہے، مزید کوئی اضافہ یا اس کی تحقیق نہیں کی ہے، ممکن ہے اس میں بعض غلطیاں بھی ہوں۔

یہ کتاب ''اوشحۃ الجید فی اثبات التقلید'' بھی اس فہرست میں شامل اور اپنے موضوع پر بہت عمدہ کتاب ہے، جس کے مصنف کسی تعارف کے محتاج نہیں، وہ اپنی مشہور زمانہ تصنیف ''آثار السنن'' کی بنا پر علمی دنیا میں خوب متعارف ہیں، یعنی علامہ ظہیر احسن شوق نیموی عظیم آبادی۔ اس کتاب کا آدھا حصہ تقلید کی بحث پر مشتمل ہے اور نصف حصہ حضرت امام ابوحنیفہ کی سوانح حیات پر۔ کتاب سے حضرت مصنف کی تحقیقی دیدہ وری پوری طرح نمایاں ہے، امام ابوحنیفہؒ کے سوانح کا حصہ ابھی چند سال ہوئے کہ الگ سے بھی لکھنؤ سے شائع ہوا تھا، کتاب میں مصنف کا اعتدال پوری طرح نمایاں ہے۔

درحقیقت یہ کتاب ''معیار الحق'' مصنفہ مولانا محمد علی مئوی (۲) کی تردید میں لکھی گئی ہے، جابجا کتاب میں مؤلف معیار کے زیر عنوان ان کے خیالات کی تردید کی گئی ہے، نیز ان کے

---

(۱) ہندوستان میں اسلامی علوم وفنون از مولانا سید عبدالحسی حسنی مطبوعہ اعظم گڑھ از ص:۱۸۴-۱۸۷ اولیٰ

(۲) مولانا محمد علی مئوی ۱۳۰۸ھ میں مئو میں پیدا ہوئے، ملا حسام الدین مئوی، مولانا عبداللہ غازی پوری اور مولانا سید نذیر حسین دہلوی سے تعلیم حاصل کی، مسلک اہل حدیث کی ترویج میں مالی اور علمی دونوں حیثیتوں سے کوششیں کیں۔ اہم تصانیف ان کی یادگار ہیں۔ ۷/رجب ۱۳۵۲ھ (مطابق ۱۹۳۳ء) میں وفات پائی، تذکرہ علمائے اعظم گڑھ ص:۳۷۵ (مرکز دعوت وتحقیق دیوبند ۱۴۳۳ھ-۲۰۱۲ء) صاحب کتاب کی تردید میں ان کی ایک کتاب التعقیب الحسن علی المولوی ظہیر الحسن ہے۔ (حوالۂ بالا)

تلامذہ کی تصانیف کے بھی جابجا حوالے ہیں۔ مئو کے متعدد علماء سے شاید علامۂ مصنف کے مباحثے اور مناقشے ہوئے ہیں، مولانا محمد علی مئوی نے صاحب کتاب کے رد میں التعلیق الحسن علی المولوی ظہیر احسن لکھی تھی۔

پیش نظر کتاب کا پہلا ایڈیشن قومی پریس لکھنؤ سے شائع ہوا تھا جس پر سنہ طباعت درج نہیں، سرورق کی عبارت یہ ہے:

”فاسئلوا أهل الذكر إن كنتم لا تعلمون، الحمدللہ والمنۃ کہ ایں کتاب بے مثل وجدید ورسالۂ سراپا تحقیق وتنقید اعنی أوشحة الجيد في إثبات التقليد مؤلفہ محقق لوذعی مصنف یلمعی علامۂ ابن جناب مولانا محمد ظہیر احسن صاحب شوق نیموی درقومی پریس واقع شہر لکھنؤ، مطبوع شد۔“

ہم نے اس کتاب میں جو کام کیے ہیں وہ حسب ذیل ہیں:

یہ کتاب قدیم طباعت میں بالکل از ابتدا تا اختتام یکساں تھی، نہ کوئی پیراگراف، نہ اقتباسات کا فرق۔ اس اشاعت میں اصول طباعت کے مطابق اس کو فقروں اور عبارتوں میں تقسیم کیا گیا، طویل اقتباسات کو چھوٹے حرفوں میں صفحات کے بیچ میں لکھا گیا، عناوین جو قدیم طباعت میں صفحات کے سامنے تھے انہیں اپنی اپنی جگہ درج کیا گیا، فہرست تیار کی گئی، اور فارسی کی تمام عبارتیں اور عربی کی بعض عبارتیں بغیر ترجمہ کے درج تھیں، حواشی میں ان کا ترجمہ درج کیا گیا، البتہ حوالوں کی تخریج اور اقتباسات کی توثیق کا کام نہیں ہوسکا، اس کے لیے جو فرصت مطلوب تھی وہ فی الوقت ہمدست نہیں، حواشی میں ترجمہ کے علاوہ ہم نے جو کچھ لکھا ہے وہاں اخیر میں ”ط“ (طلحہ) لکھ کر اپنے خیالات کو مصنف سے ممتاز کردیا ہے، البتہ حواشی میں درج شدہ اکثر ترجمے میرے ہیں جن کی وضاحت کی ضرورت نہیں سمجھی گئی، اس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ مصنف کے قلم کی یادگار ہے، بعض جگہ چھوٹی کتابوں کا حوالہ دیا گیا ہے، وہاں مصنف نے ان کتابوں کے

صفحات کے نمبرات خود ہی درج کردئے ہیں جس کو اس اشاعت میں بھی باقی رکھا گیا ہے اور کتاب کے نام سے متصل ہی اس کو مابین القوسین ( ) ذکر کردیا گیا ہے، البتہ اس کی وضاحت نہیں کہ کون سا ایڈیشن پیش نظر تھا، بہت سی کتابوں کے حوالے مذکور نہیں۔ اس کتاب میں حوالوں کی کثرت کے پیش نظر یہ خیال آیا کہ مصنف نے جن کتابوں کا ذکر کیا ہے اخیر میں ان کی ایک فہرست ذکر کردی جائے تا کہ مصنف کی دیدہ وری ومحنت کا اندازہ لگانا آسان ہو، لیکن یہ کام بھی نہیں ہوسکا، شاید اس پر اہل علم از سر نو توجہ دیں۔

مصنف کے تفصیلی حالات درج کتاب کرنے کا ارادہ بھی تشنۂ تکمیل رہ گیا۔ ہمیں امید ہے کہ علمی حلقوں میں یہ کتاب مقبول ہوگی اور مصنف کے ساتھ مرتب کے حق میں بھی دعائے خیر کے ساتھ اس سے استفادہ کیا جائے گا۔

والسلام

طلحہ نعمت ندوی

۱۴ر جمادی الاخری ۱۴۴۱ھ

[مقدمۂ مصنف]

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد للّٰه الذي أنزل من آياته الكريمة: "فاسئلوا أهل الذكر إن كنتم لا تعلمون" وأمر بإطاعته وإطاعة الرسول وأولي الأمر ولكن أكثر الناس لا يعلمون، والصلاة على عبده ورسوله محمد الذى جاء بالدين القيم إلى العرب والعجم والذى قال: "يد اللّٰه على الجماعة" و "عليكم بالعامّة" و "اتبعوا السواد الأعظم" والسلام على آله وأصحابه المهتدين والأئمة المجتهدين ومتبعيهم باحسان إلى يوم الدين. أما بعد

امیدوار مغفرت پروردگار ہادی محمد ظہیر احسن نیموی عظیم آبادی بن واصل بارگاہ لم یزلی جناب شیخ سبحان علی تجاوز اللّٰه عن ذنبه الخفي والجلي، یہ مختصر رسالہ ہدایت مقالہ، نئے رنگ ڈھنگ کا جس میں اور فوائد جزیلہ کے علاوہ حضرت ائمہ اُربعہ رضوان اللہ علیہم کی تقلید کا نہایت صاف صاف بیان ہے اور جس کے دیکھنے سے آنکھوں میں نور اور پڑھنے سے دل میں سرور آجاتا ہے، طالبین حق کی خدمت میں پیش کرتا ہے، اور اس کا نام نامی "أوشحة (۱) الجيد(۲) في إثبات التقليد" رکھتا ہے، اللّٰهم تقبل منا إنك أنت السميع العليم ولا تجعل فى قلوبنا غلا للذين آمنوا ربّنا إنّك رؤف رحيم۔

(۱) جمع وشاح بمعنی حمائل۔
(۲) جید بمعنی گردن۔

انشعابِ ملتِ محمدیہ علی صاحبہا الصلاۃ والتحیۃ

بفحوائے آیۂ کریمہ وما خلقت الجن والإنس إلا لیعبدون، یہ امر اظہر من الشّمس ہے کہ ہم لوگ اللہ تعالیٰ جل شانہ کی عبادت کے لیے پیدا کیے گئے ہیں، جتنے انبیاء ہوئے وہ اسی امر کے واسطے مبعوث ہوئے کہ لوگوں کو شرک سے بچائیں اور پروردگار عالم کی عبادت کی تعلیم کریں، جناب احکم الحاکمین نے جو حضرات انبیاء علیہ السلام کے اتباع کا حکم دیا ہے تو اسی واسطے کہ ان کے ذریعے سے بندۂ ناچیز شریعت غراء کی معرفت پیدا کریں اور احکام الٰہی بجالائیں۔ ہمارے نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم جب مبعوث ہوئے تو لوگوں کو ہدایت کرنے لگے، شرک سے بچانے لگے، احکام خداوندی بتانے لگے۔ جو لوگ آپ کے سامنے مشرف بہ اسلام ہوئے ان کو جو کچھ پوچھنا ہوتا آپ سے دریافت کر لیتے، اور اگر آپ کی زیارت باسعادت نصیب نہ ہوتی تو وہ یہ سمجھ کر آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم نے آپ کی صحبت بابرکت اٹھائی ہے، یہ لوگ شریعتِ محمدیہ وطریقۂ احمدیہ سے خوب واقف ہیں، ان لوگوں میں سے جن سے پوچھنے کا موقع ملتا مسئلہ پوچھ لیتے۔

صحابہ رضوان اللہ علیہم، بعض تو آپ ہی کے زمانے میں اور اکثر آپ کے وصال کے بعد بلاد متفرقہ میں تشریف لے گئے، جو جہاں پہنچا وہاں کا مقتدا بنا، اسی طرح جلیل القدر تابعین بھی اپنے اپنے ناحیہ کے امام بنے، ۸۰ھ (۱) میں ہمارے امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت

---

(۱) ایک قول یہ ہے کہ امام ابوحنیفہؒ ۶۱ھ میں پیدا ہوئے تھے مگر یہ قول مرجوح ہے۔

(۲) بعضوں نے سال ولادت امام مالکؒ ۹۰ھ و۹۳ھ و۹۴ھ بھی لکھا ہے۔

رحمہ اللہ کوفے میں اور ۹۵ھ (۲) میں امام مالک علیہ الرحمہ مدینۂ طیبہ میں پیدا ہوئے، کوفیوں نے امام اعظمؒ کو اپنا امام بنایا اور حجازیوں نے امام مالکؒ کو اپنا پیشوا ومقتدا ٹھہرایا، ۱۵۰ھ میں بمقام غزّہ (۱) امام شافعی رحمہ اللہ کی ولادت باسعادت ہوئی، آخر یہ بھی درجۂ اجتہاد کو پہونچ گئے اور ان کے بھی سیکڑوں مقلد ہو گئے ۱۶۴ھ میں امام احمد حنبلؒ (۲) نے بغداد میں ساحتِ عدم سے عالم وجود میں قدم رکھا، یہ بھی بہت بڑے محدث اور مجتہد ہوئے، بہت سے لوگ ان کے بھی مقلد ہو گئے۔

ان چاروں ائمہ دین کے زمانے میں بلکہ ان کے بعد بھی بڑے بڑے مجتہدین اور بھی تھے جن کے کچھ لوگ مقلد تھے، مگر خدا کی شان کہ ان چاروں کے اتباع ایک تو انہیں کے زمانے میں کثرت سے تھے، دوسرے روز بروز بڑھتے ہی گئے، اور ان کے مسائل اجتہادیہ کتابوں میں مدون ہوتے گئے، چنانچہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد امام ابو یوسفؒ وامام محمدؒ نے حدیث وفقہ میں بہت سی کتابیں لکھ ڈالیں جن میں جناب امام عالی مقام کے مسائل فقہیہ بھرے ہوئے ہیں، بلکہ ''فقہ اکبر'' جو منسوب بہ امام ہمام ہے اس سے ثابت ہے کہ فقہ کی کتاب آپ نے بھی لکھی ہے، ان اماموں کے اس وقت جو مقلدین تھے وہ علی سبیل الالتزام ان کے مقلد نہ تھے، امام معین کی تقلید کو کچھ لازم نہیں کر لیا تھا، اکثر مسائل کے اتباع کی وجہ سے وہ لوگ ان کی طرف منسوب ہو گئے تھے۔

امام داؤد ظاہری رحمہ اللہ

بہرکیف جب تیسری صدی کا زمانہ آیا تو امام ابو سلیمان داؤد ظاہری۔ جو ۲۰۲ھ میں پیدا ہوئے، اور بہت بڑے محدث تھے۔ کل قیاسات خفیہ وجلیہ کو ترک کر کے ظاہر نصوص پر چلنے لگے، یہی وجہ ہے کہ ان کو لوگ داؤد ظاہری کہتے ہیں، ایک جماعت کثیر ان کی پیرو ہو گئی جن کا لقب ''ظاہریہ'' ہے، مؤرخ مشہور ابن خلکان نے ''وفیات الاعیان'' میں ان کی نسبت لکھا ہے: ''کان

(۱) بعضوں نے عسقلان اور منیٰ کو بھی ان کا مولد لکھا ہے۔

(۲) بعضوں نے بغداد کے بدلے مرو کو ان کا مولد قرار دیا ہے۔

صاحب مذهب مستقل وتبعه جمع كثير يُعرفون بالظاهرية"، **یعنی امام داوٗد مستقل مذہب رکھتے تھے اور ایک جماعت کثیرہ جوظاہر یہ کہلاتی ہے ان کی متبع ہوگئی تھی۔**

یہ ظاہر یہ یہاں تک ظاہر پر چلتے تھے کہ حدیث شریف میں جو ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب کرنے کا امتناع آیا ہے تو یہ لوگ کہتے ہیں کہ اس سے پانی میں پاخانہ پھرنے کی ممانعت نہیں نکلتی، وقس علی هذا.

اس تیسری صدی میں کہ اسلام ملک ملک پھیل گیا تھا اور جناب رسالت مآب ﷺ کے زمانے سے بہت بُعد ہو گیا تھا، اچھے لوگ بہت کم رہ گئے تھے، نفسانیت پھیل گئی تھی، بات بات میں طرح طرح کے اختلافات ہونے لگے، جس کی سمجھ میں جو آتا فتوے دیتا، بیچارے عوام کو عجب مصیبت کا سامنا ہوا کہ ایک ہی مسئلے کو کوئی کچھ کہتا کوئی کچھ بتاتا ہے، کس کی بات مانئے، کس کی نہ مانئے، یہ حالت دیکھ کر لوگ اس پر متفق ہوئے کہ اس خرابی کے دور کرنے کے واسطے ہر شخص مجتہدین کی تقلید کیا کرے، مثلاً جس کو امام اعظمؒ کے ساتھ حسنِ ظن ہو وہ مجتہداتِ جنابِ امام ہی سے غرض رکھے، اور جو شخص امام مالکؒ کا معتقد ہو وہ انہیں کے مسلک پر چلا کرے، وقس علی ہذا۔ یہ رائے کچھ ایسی قرین صواب تھی کہ بڑے بڑے محققین کو اتفاق ہی کرتے بنا۔ آخر لوگ مطلق العنانی سے باز آئے اور مجتہدین کی تقلید کے پابند ہوگئے۔ کچھ تھوڑے ہی ایسے لوگ تھے جو کسی کے مقلد نہ تھے، ورنہ سب کے سب امام معین کے مقلد تھے۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی مرحوم نے رسالہ ''انصاف'' (۱) میں لکھا ہے: ''وبعد المائتين ظهر فيهم التمذهب للمجتهدين بأعيانهم، وقل من كان لا يعتمد على مذهب مجتهد بعينه، وكان (۲)هذا هو الواجب في ذلك الزمان"، **یعنی ''دوسری صدی کے بعد مجتہد**

(۱)الإنصاف في بيان سبب الإختلاف.(ط)

(۲) صاحب اسعاف مترجم رسالۂ انصاف وغیرہ حضرات نے جو اپنا مدعا ثابت کرنے کو کان سے کأنّ **بالتشدید** بدل کر اس کا ترجمہ گویا کیا ہے، وہ محض غلط ہے کیونکہ ایسی حالت میں ایک کان کی ضرورت رہتی ہے کما لا يخفى على أهل العربية، افسوس کہ لوگ تحریف تو کرتے ہیں مگر صحت عبارت کا کچھ خیال نہیں رکھتے۔

معین مذہب کی تقلید لوگوں میں ظاہر ہوئی، اور بہت ہی کم ایسے لوگ تھے جو کسی مذہب کے پابند نہ تھے، اور اس قسم کی پابندی اس زمانے میں واجب تھی''۔

اسی صدی میں امام ابوجعفر طحاوی پیدا ہوئے جو بہت بڑے جلیل القدر محدث تھے، پہلے وہ شافعی المذہب تھے پھر حنفی ہو گئے، علامہ ابن حجر مکی شافعی نے خیرات الحسان میں لکھا ہے:

"ولدقة قياسات مذهبهم كان المُزني يكثر النظر في كلامهم حتى حمل ذلك ابن أخته الإمام الطحاويؒ على أن انتقل من مذهب الشافعيؒ إلى مذهب أبي حنيفةؒ كما صرح بذلك الطحاوي بعينه"، یعنی''مذہب حنفیہ کے قیاسات کی دقت کی وجہ سے مُزنی شافعی المذہب اکثر ان کے کلام میں نظر کیا کرتے تھے یہاں تک کہ اس امر نے ان کے بھانجے امام طحاوی کو اس امر پر محمول کر دیا کہ وہ مذہب شافعی چھوڑ کر حنفی ہو گئے''۔

چنانچہ اس کی تصریح خود امام طحاوی نے کر دی ہے، مثل مشہور ہے''ہونہار بروے کے چکنے چکنے پات''۔

ملت محمدیہ علی صاحبها الصلاة والتحية کو درختِ طوبیٰ سمجھو جس میں چند شاخیں نکلیں، ان میں سے کوئی تو ایک ہاتھ بڑھ کر رہ گئی کوئی دو ہاتھ، کوئی اس سے بھی کچھ زیادہ بڑھی مگر چار شاخیں ایسی بڑھ چلیں کہ آنکھوں کے دیکھتے دیکھتے سارے جہاں میں پھیل گئیں، ان میں سے ایک شاخ نے تو وہ نشو ونما پائی کہ چار دانگ عالم پر اپنا سایہ ڈال دیا اور امکنۂ مختلفہ و بلاد متفرقہ میں اپنا رنگ جما دیا، ان شاخوں میں طرح طرح کے خوشنما وخوش ذائقہ میوے لگے جس شخص نے جس شاخ کے نیچے جگہ پکڑی وہ اسی درخت کا سایہ گیر ٹھہرا، اور جس نے جس شاخ کا میوہ کھایا اس کو اسی بہشتی درخت کا پھل نصیب ہوا۔ اس بڑی شاخ کو تم مذہب حنفیہ سمجھو کہ تیسری ہی صدی میں سد سکندری تک جو کوہِ قاف میں واقع ہے پہنچ گیا تھا، چنانچہ ۲۲۸ھ میں واثق عباسی نے سد سکندری کا حال دریافت کرنے کو کچھ لوگ بھیجے تو وہاں کے لوگوں کو حنفی

المذہب پایا، خدا بخشے، نواب والا جاہ صدیق حسن خاں بہادر ''ریاض المرتاض'' (ص:۳۱۶) میں بحوالۂ ''مسالک الممالک'' لکھتے ہیں: ''محافظان سرحد کہ در انجا بود ند ہمہ دین اسلام داشتند، و مذہب حنفی، و زبان عربی و فارسی می گفتند، اما از سلطنت عباسیہ بے خبر بودند''۔(۱)

سبحان اللہ! ترقی اس کو کہتے ہیں اور اشاعت اس کا نام ہے

حسد چہ می بری اے سُست برائے حافظ را　　　قبولِ خاطر حسنِ سخن خداداد ست

علاّمہ ابن حزم

زمانہ اسی رنگ پر چلا جاتا تھا کہ علامہ ابن حزم کی ۳۸۴ھ میں ولادت ہوئی، علم حدیث میں تبحر حاصل کیا، حفاظ احادیث سے ہوگئے، پہلے یہ شافعی المذہب تھے، پھر امام داؤد ظاہری کا مذہب اختیار کیا، پھر سب کو چھوڑ چھاڑ کر خود امام الأئمہ بن گئے اور تقلید کو حرام فرمانے لگے، نفی قیاس واخذ نصوص ظاہرہ کے باب میں کتابیں لکھیں، اماموں کے حق میں بہت کچھ برا بھلا استعمال کیا، خوب خوب زبان درازیاں کیں، علامہ ابوبکر ابن العربی نے ''القواصم والعواصم'' میں ان کے حق میں یوں لکھا ہے:

''نشأ وتعلق بمذهب الشافعي ثم انتسب إلى داوٗد ثم خلع الكل واستقل بنفسه وزعم انه إمام الأئمة''، یعنی ''نشو ونما پا کر مذہب شافعی اختیار کیا، پھر داؤ ظاہری کی طرف منسوب ہوئے، پھر سب کو چھوڑ چھاڑ کر مستقل المذہب ہوگئے اور یہ زعم کیا کہ میں امام الأئمہ ہوں''۔ اور علامہ ذہبی نے سیر أعلام النبلاء میں لکھا ہے:

''ولم يتأدب مع الأئمة في الخطاب بل فجح العبارة
وسب وجدع فكان جزاؤه من جنس فعله بحيث أنه أعرض
عن تصانيفه جماعة من الأئمة وهجروها ونفروا منها''، یعنی

(۱) سرحد کے محافظین جو وہاں موجود تھے سب مسلمان اور حنفی تھے، عربی اور فارسی بولتے تھے لیکن سلطنت عباسیہ سے بے خبر تھے۔(ط)

''خطاب میں ابن حزم نے ائمۂ دین کا کچھ ادب نہیں کیا اور بہت کچھ برا بھلا استعمال کیا، پس جیسا کیا ویسا پایا کہ ائمہ دین کی ایک جماعت نے ان کی تصانیف سے اعراض کیا اور نفرت ظاہر کی''۔

اور مؤرخ علامہ ابن خلدون نے اپنے مقدمۂ تاریخ میں لکھا ہے:"خالف إمامهم داوٗد وتعرض لكثير من أئمة المسلمين" ،یعنی''ابن حزم نے ظاہریہ کے امام یعنی داؤد ظاہری سے مخالفت کی اور اکثر ائمہ دین سے تعرض کیا''۔علامہ ابن حزم نے قیاسات جلیہ کو بھی یہاں تک ترک کردیا کہ بخاری شریف میں جو یہ حدیث وارد ہے''لا يبولن أحدكم في الماء الدائم الذي لا يجري ثم يغتسل فيه" یعنی''تم میں سے کوئی شخص بندھے ہوئے پانی میں کہ جاری نہ ہو پیشاب کر کے غسل نہ کیا کرے''،اس کی نسبت علامہ ابن دقیق العید نے شرح الالمام باحاديث الأحكام میں لکھا ہے:

"قال ابن حزم منهم: إنّ كل ماء راكد قل أو كثر بال فيه إنسان فإنه لا يحل لذلك البائل خاصة الوضوء ولا الغسل وإن لم يجد غيره ففرضه التيمم وجاز لغيره الوضوء منه والغسل وهو طاهر مطهر لغير الذي بال فيه ولو تغوط فيه أو بال خارجاً فأل البول إلى الماء الدائم أو بال في إنائه وصبه فى ذلك الماء ولم يتغير له صفة فالوضوء منه والغسل جائز لذلك المتغوط وللذى سال بوله فيه ولغيره"، یعنی ظاہریہ میں سے ابن حزم نے کہا ہے کہ بستہ پانی قلیل ہو یا کثیر اگر اس میں کسی انسان نے پیشاب کردیا تو اس پیشاب کرنے والے کو اس پانی سے وضو اور غسل درست نہیں مگر اور لوگوں کے واسطے وہ پانی طاہر ومطہر ہے اس سے وضو اور غسل جائز ہے، کیونکہ حدیث میں پیشاب کرنے والے کے حق میں غسل کی نہی وارد ہے، اور اگر پاخانہ پھردیا یا پیشاب ہی کیا مگر اس طرح کہ باہر کیا اور وہ بہہ کے پانی میں

چلا آیا، یا کسی برتن میں پیشاب کیا پھر پانی میں ڈال دیا اور صفت متغیر نہ ہوئی تو ان سب صورتوں میں اس پیشاب کرنے والے کے لیے اور غیر کے واسطے بھی وہ پانی طاہر ومطہر ہے کیونکہ حدیث میں پاخانے کا ذکر نہیں، اسی طرح اگر کوئی باہر پیشاب کرے پھر وہ کسی طرح پانی میں مل جائے تو اس کا حکم بھی حدیث میں مذکور نہیں، بلکہ اس بستہ پانی کا حکم ہے کہ اسی میں پیشاب کیا گیا ہو۔

بہر کیف اس قسم کے مسائل اور اخذ ظاہر پر علمائے کرام نے بہت کچھ استہزا کیا، بلکہ ابن حزم کی کتابیں کبھی جلائی گئیں، کبھی پھاڑی گئیں، کبھی دریا بُرد کی گئیں۔

المختصر عبارت سابقہ سے ثابت ہے کہ چوتھی صدی تک مذاہب اربعہ کے سوا اور مذاہب بھی باقی تھے مگر یہ چاروں روز بروز ترقی پر تھے اور بقیہ مذاہب مندرس ہوتے چلے جاتے تھے حتی کہ چوتھی صدی کے بعد کچھ ایسے مٹ گئے کہ دنیا بھر میں اہل سنت والجماعت کے فرقے میں یہی چار مذاہب حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی رہ گئے، اور جہاں دیکھو ائمہ اربعہ رحمۃ اللہ علیہم ہی کے مقلدین نظر آنے لگے، علامہ ابن خلدون نے اپنے مقدمۂ تاریخ میں لکھا ہے:

ثم درس مذهب أهل الظاهر اليوم بدروس أئمته وانكار الجمهور على منتحله ولم يبق إلا فى الكتب المجلدة، **یعنی ''ظاہریہ کا مذہب ان کے ائمہ کے نہ رہنے کی وجہ سے اور جمہور کے اوپر انکار کرنے سے آج بالکل معدوم ہو گیا اور بجز کتب مجلدہ کہیں اس کا نام ونشان نہ رہا''۔**

اور اسی تاریخ ابن خلدون میں یہ بھی ہے:

> "ووقف التقليد فى الأمصار عند هؤلاء الأربعة ودرس المقلدون لمن سواهم وسد الناس باب الخلاف وطرقه، ولما كثر تشعب الاصطلاحات فى العلوم ولما عاق عن الوصول إلى رتبة الاجتهاد ولما خشى من اسناد ذلك إلى غير أهله ومن لا يوثق برأيه ولا بدينه فصرحوا بالعجز والإعواز وردوا الناس إلى تقليد هؤلاء، كل من اختص به من

المقلدين وحظروا أن يتداول تقليدهم لما فيه من التلاعب، ولم يبق الا نقل مذاهبهم وعمل كل مقلد بمذهب من قلده منهم بعد تصحيح الأصول واتصال سندها بالرواية لا بحصول اليوم للفقه غير هذا ومدعى الاجتهاد لهذا العهد مردود على عقبه مهجور تقليده وقد صار أهل الإسلام اليوم على تقليد هؤلاء الأئمة الأربعة"۔ *یعنی دیار وامصار میں انہیں ائمہ اربعہ پر تقلید ٹھہر گئی، اور ان کے سوا جو اور امام تھے ان کے مقلدین ناپید ہوگئے، اور لوگوں نے اختلافات کے دروازے اور راستے بند کر دیے، اور چونکہ اصطلاحات علمیہ مختلف ہوگئے اور رتبۂ اجتہاد تک پہونچنے سے باز رہ گئے، اور اس امر کا خوف پیدا ہوا کہ کہیں اجتہاد ایسے شخص کی طرف مستند نہ ہوجائے جو اس کا اہل نہ ہو یا اس کی رائے یا دین قابل وثوق نہ ہو لہذا علمائے زمانہ نے اجتہاد سے اپنا عجز ظاہر کر دیا اور اس کے دشوار ہونے کی تصریح کر دی، اور انہیں مجتہدین کی تقلید کے لیے جن کے لوگ مقلد ہو رہے تھے لوگوں کو ہدایت کرنے لگے، اور چونکہ تداول تقلید میں تلاعب ہے لہذا کبھی ان کی کبھی ان کی تقلید کرنے سے لوگوں کو منع کرنے لگے اور صرف نقلِ مذاہب باقی رہ گئی، اور بعد تصحیح اصول واتصال سند بالروایت ہر مقلد اپنے اپنے مجتہد کی تقلید کرنے لگا، اور فقہ سے آج بجز اس امر کے کچھ اور مطلب نہیں، اور فی زماننا مدعی اجتہاد مردود اور اس کی تقلید مہجور ہے، اور اہل اسلام آج انہیں ائمہ اربعہ ہی کی تقلید پر قائم ہوگئے ہیں"۔*

الحاصل عبارت سابقہ سے کما حقہ ثابت ہے کہ صدی اول میں بلا شک جمہور علی سبیل الالتزام کسی خاص امام کی تقلید نہیں کرتے تھے، آں حضرت ﷺ یا آپ کے صحابہؓ یا خیار تابعین وغیرہم جن میں نفسانیت نہ تھی موجود تھے جس کو جس سے سابقہ پڑا اس کا متبع ہوگیا۔ اور یہ اتباع بھی التزاماً نہ تھا، جب اچھے زمانے گذر گئے اور نفسانیت پھیل گئی اور طرح طرح کے اختلافات ہونے لگے تو یہ خرابیاں دیکھ کر دوسری صدی کے بعد خیر اندیشان مذہب کی رائے تقلید امام معین

کی ٹھہری، اورعوام کومطلق العنانی سے روکنے لگے، جس کوجس امام سے سابقہ پڑا اس کی التزاماً تقلید کرنے لگا، مگر اس وقت تک یہ رائے قرار نہیں پائی تھی کہ ائمہ اربعہ کے سوا کسی پانچویں امام کی تقلید نہ کی جائے اور چار ہی میں مذاہب منحصر رہیں، بلکہ صرف مجتہد معین کی تقلید کا اہتمام تھا، ائمہ اربعہ میں سے کوئی ہو یا کوئی اور امام ہو، مگر خداوند تعالی جل شانہ کو کچھ اور ہی منظور تھا، مقلدین ائمہ اربعہ روز بروز بڑھتے ہی گئے اور ان کے اصول وفروع منضبط ہوگئے، اور بقیہ مجتہدین کے مقلدین کم ہوتے چلے گئے۔ آخر چوتھی صدی کے بعد کل مذاہب مندرس ہوکر دنیا بھر میں اہل السنۃ والجماعۃ کے فرقے میں ائمہ اربعہ رحمۃ اللہ علیہم ہی کے مقلدین رہ گئے، ملاجیونؒ نے ''تفسیر احمدی'' (۱) میں لکھا ہے:

> "والانصاف ان انحصار المذاهب فی الأربع واتباعهم فضل إلهی وقبولية من عند الله تعالی لا دخل فيه للتوجيهات والأدلة" یعنی ''انصاف یہ ہے کہ مذہب کا انحصار چار میں اور ان کا اتباع محض فضل الٰہی اور اللہ تعالی کی قبولیت ہے، اس میں توجیہات اور دلائل کو کچھ دخل نہیں''۔

اور استاذنا المکرّم مجدد العصر جناب مولانا محمد عبدالحی مرحوم محدث لکھنوی نے بھی اسی طرح لکھا ہے، چنانچہ غیث الغمام (ص:۵) میں امام الکلام کی ایک عبارت کی شرح میں تحریر فرماتے ہیں:

''فيه إشارة إلی أن انحصار المسالك فی المذاهب الأربعة المشهورة فی الأزمنة المتأخرة أمر إلهی وفضل ربانی لا يحتاج إلی اقامة الدليل عليه''.

جب صرف مذاہب اربعہ رہ گئے اور بقیہ مذاہب مٹ مٹا گئے تو بجز اس کے کہ انہیں کی تقلید کی جائے اور چارہ کیا رہا۔

شاہ ولی اللہ مرحوم "عقد الجید" میں لکھتے ہیں:

(۱) عربی میں مشہور ہے، اس کا نام عربی میں التفسیرات الاحمدیہ ہے۔ (ط)

"ولـما اندرست المذاهب الحقة إلا هذه الأربعة كان
اتبـاعهـا اتبـاعـاً لـلسـواد الأعظم والخروج عنها خروجاً عن
السواد الأعظم". یعنی ''جب بجز مذاہب اربعہ دوسرے مذاہب حقہ
معدوم ہوگئے تو انہیں چاروں کا اتباع سواد اعظم کا اتباع ٹھہرا اور ان
سے نکلنا سواد اعظم سے نکلنا ہوا''۔

اس امر کی تحقیق کہ ائمہ اربعہ کی تقلید علی سبیل التعیین کیا ہے اس کو تو ان شاء اللہ تعالیٰ آگے چل کے دوسری فصل میں لکھوں گا، یہاں "عـقد الجيد" کی عبارت نقل کرنے سے مجھ کو یہ دکھانا ہے کہ جناب شاہ صاحب کی اس تحریر سے بقیہ مذاہب کا اندراس اور چار میں مذاہب کا انحصار ثابت ہے۔اور "حجة الله البالغه" (۱) وغیرہ سے روشن ہے کہ یہ امر چوتھی صدی کے بعد واقع ہوا، اب اگر تم چوتھی صدی کے بعد جو بڑے بڑے محدثین ہوئے ان کے حالات کو تفتیش کروگے تو ان کو مذاہب اربعہ سے خارج نہ پاؤ گے، حافظ زیلعی،عینی، علامہ طیبی، محقق ابن ہمام، ملا علی قاری وغیرہم جو علم حدیث میں تبحر رکھتے تھے حنفی المذہب تھے۔ابن عبد البر ایسے محدث مالکی تھے۔نووی، بغوی، خطابی، ذہبی، عسقلانی، قسطلانی، سیوطی وغیرہم جن کا فن حدیث میں ڈنکا بجتا ہے، شافعی المذہب تھے۔اسی طرح بہت سے علماء حنبلی المذہب گذرے ہیں، علامہ ابن تیمیہ، حافظ ابن قیم یہ دونوں بھی حنبلی تھے۔ان دونوں کا علم تو واقعی بہت بڑا تھا مگر عقل کے بارے میں علماء نے ان کی شکایت لکھی ہے، علامہ ابن بطوطہ نے تحفة النظار میں لکھا ہے:

"كـان بـدمشق من كبائر الفقهاء الحنابلة تقي الدين
ابـن تيـمية كبير الشام يتكلم في الفنون إلا أن في عقله شيئاً"،
یعنی ''دمشق میں اکابر فقہائے حنابلہ سے تقی الدین ابن تیمیہ تھے جو شام میں
نہایت معظم اور فنون میں متکلم تھے مگر ان کی عقل میں کچھ کسر تھی''۔

اور علامہ صلاح الدین خلیل صفدی نے غیـث الادب الـمسـجـم میں ایسے چند

(۱) دیکھئے اس کتاب کا ساتواں مبحث۔(ط)

حضرات کا ذکر کر کے جن کی عقل ان کے علم سے بہت کم تھی یہ لکھا ہے:

"وكذا كان الشيخ الإمام العالم العلامة تقى الدين أحمد ابن تيمية، علمه متسع جداً إلى الغاية وعقله ناقص يورطه فى المهالك ويوقعه فى المضايق"، یعنی "اور اسی طرح شیخ امام عالم علامہ تقی الدین احمد بن تیمیہ کا علم بلا شک نہایت وسیع تھا، مگر عقل ان کی ناقص تھی کہ مہالک اور مضائق میں ان کو ڈال دیا کرتی تھی"۔

اور علامہ زرقانی نے "شرح مواهب لدنيه" میں لکھا ہے: "قد أنصف من قال فيه: علمه أكبر من عقله"، یعنی "جس شخص نے ابن تیمیہ کے حق میں یہ کہا ہے کہ ان کا علم ان کی عقل سے زیادہ تھا اس نے بہت انصاف کو دخل دیا ہے"۔

اور علامہ ابن قیم کے حق میں بعد اوصاف جمیلہ علامہ ذہبی نے المعجم میں لکھا ہے: "لكنه معجب برأيه سئ العقل جرئ عليه أمور"، یعنی "ابن قیم میں یہ سب صفتیں تھیں مگر اس کے ساتھ ہی معجب الرائے سیئ العقل تھے، ان پر بہت سے واقعات گذرے"۔

دیکھئے جو لوگ ان کے مداح ہیں وہی ان کی عقل کے شاکی ہیں۔ اسی طرح حافظ ابن حجر نے الدرر الكامنه وغیرہ میں ابن تیمیہ کے تشددات وحسد وغضب عند البحث وغیرہ کو ذکر کیا ہے، ان دونوں کو تفرد کا شوق تھا، نئے مسائل بیان کرنے پر نہایت حریص تھے، آخر ان میں ظاہر یہ کی کچھ بو آ گئی تھی، جو کچھ ہو میں ان کو بوجہ تبحر فی العلم مانتا ہوں اور قدر کی نگاہ سے دیکھتا

(۱) صاحب کتاب نے علامہ ابن تیمیہؒ اور علامہ ابن القیمؒ کے بارے میں دوسرے اہل علم کے حوالہ سے جو کچھ لکھا ہے اس سے اتفاق مشکل ہے۔ دنیائے علم میں ان دونوں بزرگوار کی عظمت مسلم ہے، اس کے بعد شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی کے بارے میں صاحب کتاب نے مفتی احمد زینی دحلان کی "فتوحات مکیہ" ایک دوسرے امریکانی (امریکی) کی کتاب "المرأة الوضه في الكرة الأرضة" مسلم خوری (ترکی) کی "آثار الاذہان" کے حوالہ سے عربی اقتباسات کے ساتھ جو باتیں لکھی ہیں وہ ان حوالوں کی بنا پر غلط فہمی پر مبنی ہیں اور بے بنیاد ہیں نیز ان کا لب ولہجہ بھی بہت سخت ہے، شیخ محمد بن عبدالوہاب کے ذکر کے بعد قاضی شوکانیؒ کا ذکر بھی اسی انداز سے کرایا گیا ہے، اسی لیے ان دونوں کا ذکر حذف کر دیا ہے۔ (ط)

ہوں، اور میں کیا ہوں بڑے بڑے محدثین نے ان کی تعریف لکھی ہے، رہے ان کے بعض تفردات غیر مقبولہ، ان کو ان کی خفت عقل اضافیہ واجتہادات غیر مرضیہ پر محمول کرتا ہوں۔(۱)

المختصر ایک زمانۂ دراز سے لوگ مقلد ہوتے چلے آتے تھے، بڑے بڑے علماء دائرۂ تقلید سے باہر نہ تھے، جو علماء مشددین سے گذرے ہیں وہ بھی ائمہ اربعہ میں سے کسی نہ کسی امام کے مقلد تھے، ہندوستان میں جب سے اسلام نے قدم رکھا لوگ برابر حنفی المذہب ہوتے چلے آئے، جب اسلامی حکومت جاتی رہی سرکار انگلشیہ کو کسی کے مذہب سے تعرض نہ رہا، تیرہویں صدی میں جابجا کچھ ایسے لوگ پیدا ہوئے جو تقلید ائمہ اربعہ کو محض بے اصل سمجھنے لگے، ابن حزم، ابن تیمیہ، ابن قیم، شوکانی کے خیالات سے ان کو واقفیت ہوئی، اہل ظاہر کی بوان میں بھی آگئی، بات بات میں حنفیوں سے اختلاف کرنے لگے، لڑنے جھگڑنے لگے، مقلدین کو بدعتی بلکہ کافر تک کہنے لگے، اگرچہ ابن عبدالوہاب نجدی حنبلی المذہب تھا، اور یہ فرقہ کسی کا مقلد نہیں، مگر اس سبب سے کہ نجدیوں کے فتنۂ وفساد کے اختتام کا زمانہ اور ان کے ظہور کے دن گویا ملتے جُلتے ہوئے تھے، اور تشددات میں دونوں فرقے ہم قدم ثابت ہوئے، مقلدین نے ان کا لقب وہابی رکھا اور یہ لوگ اپنے آپ کو محمدی کہنے لگے، جس پر اربابِ مذاق نے یہ شگوفہ چھوڑا کہ چونکہ یہ لوگ محمد بن عبدالوہاب کے اتباع سے ہیں اس واسطے ان لوگوں نے اپنا لقب محمدی رکھا ہے، پھر یہ حضرات اپنے آپ کو ''عامل بالحدیث'' اور ''اہل حدیث'' اور موحد کہنے لگے اور مقلدوں نے وہابی کے بدلے غیر مقلد اور لامذہب بھی کہنا شروع کیا، حضرات غیر مقلدین وہابی اور لامذہب ان دولقبوں سے بہت چڑتے ہیں اور برامانتے ہیں، ہمیں کیا مطلب کہ ناحق دل دکھانے والے لقب سے ان کو یاد کریں، رہے محمدی وغیرہ ایسے القاب تو ہم اس سبب سے ان کے لیے خاص نہیں کرسکتے کہ اس سے اس کا اتہام ہوتا ہے کہ بیچارے مقلدین نعوذ باللہ آں حضرت ﷺ کے پیرو نہیں حدیث کے منکر ہیں، وحدانیت پروردگار عالم کے قائل نہیں، پس یہ القاب بھی کسی طرح ان کے لیے خاص نہیں ہوسکتے، رہا لفظ غیر مقلدین، اس میں کسی طرح کا سب

وشتم نہیں اوران پر یہ لقب اچھی طرح ثابت ہے، لہذا ہم ان کواسی لقب سے تعبیر کرتے ہیں اور وہابی، لامذہب ایسے دل دُکھانے والے لقب سے ہم احتیاط رکھتے ہیں، ہم خوش، ہمارا خدا خوش۔

یہ تو ظاہر ہے کہ دنیا میں جس قدر اہلِ مذاہب باطلہ ہیں ان کو تقریر سے بند کر دینا اور اپنے مذہب کی حقّیت ثابت کر دینا کچھ آسان نہیں، حضرات غیر مقلدین کہ بیچارے مقلدین کے اعتبار سے ان میں بہت کچھ آزادی ہے، ان کو تقریر سے بند کر دینا واقعی نہایت ٹیڑھی کھیر ہے، ہاں اگر کوئی مقلد مطلق العنان ہو کر ان کے مسائل مسلمہ پر بحث کرے تو میں سچ کہتا ہوں کہ ان سے کچھ بنائے نہ بن سکے اور وہی دقتیں پیش آجائیں جو بیچارے مقلدین کو پیش آیا کرتی ہیں۔

فرقۂ نیچریہ

کیا نہیں دیکھتے کہ ان سے بھی زیادہ آزاد ہو کر فرقۂ نیچریہ پیدا ہوا جو ان سے دو ہاتھ اونچا جانے لگا، یہ لوگ تو کتب فقہیہ ہی کو چٹکیوں میں اڑایا کرتے تھے اور تقلید کو برا بھلا کہا کرتے تھے، اس فرقۂ نیچریہ نے تو قیامت کی کہ جتنی کتابیں ہیں سب کو بالائے طاق رکھ کر صرف قرآن کو ماننے لگا، اور پھر غضب یہ کہ اس میں تاویلات کر کے ایک اور ہی مسلک نکال دیا، ان کے مقابلے میں مقلدین تو مقلدین حضرات غیر مقلدین کو بھی سخت مشکل پیش آگئی، سبب کیا کہ جو فرقہ جتنا زیادہ آزاد ہوگا اس کو اتنی ہی زیادہ وسعت ہوگی اور اس کے مخالف کو دقت پیش آئے گی، دیکھو آریہ سماج اور برہمو سماج والے ہندو جو توحید کا ڈنکا بجاتے ہیں، اور بت پرستی سے کوسوں دور بھاگتے ہیں، ان کی کمال آزادی کی وجہ سے آج مسلمانوں کو ان کے مقابلے میں کس قدر دقت ہوتی ہے، دانتوں پسینہ آجاتا ہے، اسی طرح حضرات غیر مقلدین اور نیچریہ کو سمجھو کہ ان کے مقابلے میں لوہے کے چنے چبانا پڑتے ہیں، غرض کہ ہندوستان میں حضرات غیر مقلدین و نیچریہ کے سبب سے عجب عجب جھگڑے پھیلے، مجدد العصر استاذنا المکرّم مولانا محمد عبدالحی محدث لکھنوی

قدس سرہ "الآثار المرفوعه في الأخبار الموضوعة" میں لکھتے ہیں:

"ولعمری افساد هؤلاء الملاحدة وافساد إخوانهم الأصاغر المشهورين بغير المقلدين الذين سموا أنفسهم بأهل الحديث وشتان ما بينهم وبين أهل الحديث، قد شاع فی جميع بلاد الهند وبعض بلاد غير الهند فخربت به البلاد ووقع النزاع والعناد"، یعنی یہ ملحد نیچریہ اوران کے چھوٹے بھائی غیر مقلدین جنہوں نے اپنا لقب اہل حدیث رکھا ہے حالانکہ کجا یہ اور کجا اہل حدیث، ان دونوں فرقوں کا فتنہ وفساد جمیع بلاد ہند اور بعض غیر ہند میں اس قدر شائع ہوا کہ ملک اس کے سبب سے برباد ہوگئے اور آپس میں لڑائی جھگڑے، بغض وعناد واقع ہوگئے۔

ہمارے مولانا مرحوم نے جو فرقۂ غیر مقلدین کو نیچریہ کا چھوٹا بھائی لکھا ہے واقعی خدا لگتی بات ہے، اس فرقے کے لوگ جب کچھ اور آزاد ہوتے ہیں تو ان میں نیچریت آجاتی ہے، آج بھی بعض ایسے غیر مقلد علماء موجود ہیں جن کو خود بعض حضرات غیر مقلدین بھی نیچری کہتے ہیں، بہرکیف یہ امر اظہر من الشّمس ہے کہ اہل سنت میں اتفاق نہیں رہا، اگر غور سے دیکھو تو اس جھگڑے کا نتیجہ یہ ہوا کہ شیعہ جو ہمیشہ اہل سنت وجماعت سے دبتے چلے آتے تھے اس آپس کے اختلاف سے ان کی بن پڑی، میدان خالی پاکر خوب خوب دل کے حوصلے نکالے، اہل سنت میں اتفاق کے بدلے آپس میں نفاق پھیل گیا، إنا لله وإنا إليه راجعون.

حکم تقلید ائمۂ اربعہ رحمۃ اللہ علیہم

یہ بات تو اوپر بیان ہو چکی کہ تقلید کا وجود ہر زمانے میں رہا، ابتدا میں لوگ جس کو عالم متدین پاتے اس کی تقلید کر لیتے، پھر اختلاف کی خرابیاں دیکھ کر حامیانِ اسلام نے امام معین کی تقلید کی رائے ٹھہرائی، اور لوگوں کو مطلق العنانی سے روکنے لگے، رفتہ رفتہ کل مذاہب اہل سنت مٹ مٹا کر مذاہب اربعہ رہ گئے، جمہور پابند تقلید ہو گئے، بڑے بڑے محدثین دائرۂ تقلید سے باہر نہ ہوئے، پہلے ہم ''مشتے نمونہ از خروارے'' چند اقوال علماء نقل کرتے ہیں، پھر نہایت صاف صاف ائمہ اربعہ کی تقلید شخصی کا حکم لکھے دیتے ہیں، ''تقصار'' (ص۶۰) میں-خدا بخشے-نواب صدیق حسن خان بہادر نے شیخ مجدالدین بغدادی کے ترجمے میں مولانا جمال الدین حلبی کا ایک خواب لکھا ہے کہ علاوہ اور باتوں کے انہوں نے عالمِ رؤیا میں آں حضرت ﷺ سے یہ پوچھا: ''ما تقول فی حق إمام الحرمین الجوینی''؟ گفت ''هو ممن نصر دینی'' یعنی '' آپ امام الحرمین جوینی کے حق میں کیا ارشاد فرماتے ہیں، وہ کیسے آدمی تھے، آں حضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ یہ وہ شخص ہے جس نے میرے دین کی نصرت کی ہے''۔

قول امام الحرمینؒ

اب دیکھو امام الحرمین کس رتبے کے آدمی ہیں، کچھ اسی پر موقوف نہیں، ان کے علم وفضل کو ایک عالم مانتا ہے، وہ ''برہان'' میں لکھتے ہیں: ''أجمع المحققون على أن العوام ليس لهم أن يعملوا بمذهب الصحابة بل عليهم أن يتبعوا مذهب الأئمة الأربعة

ذکروا أوضاع المسائل وأوضحوا طريق النظر"، یعنی ''محققین نے اس پر اجماع کیا ہے کہ عوام مذاہب صحابہ پر عمل نہ کیا کریں، بلکہ ان پر لازم ہے کہ ائمہ اربعہ جنہوں نے اوضاع مسائل کو ذکر کر دیا ہے، اور طریقۂ نظر کو واضح کر دیا ہے، انہیں کے مذہب کا اتباع کیا کریں''۔

قول محقق ابن ہمامؒ

اور محقق ابن ہمام نے فتح القدیر میں لکھا ہے: ''انعقد الإجماع على عدم العمل بالمذاهب المخالفة للأئمة الأربعة"، یعنی ''اس پر اجماع ہو گیا ہے کہ ائمہ اربعہ کے مخالف جو مذاہب ہیں ان پر عمل نہ کیا جائے''۔

قول علّامہ محلیؒ

اور علامہ جلال الدین محلی صاحب شطر اخیر (۱) تفسیر جلالین نے شرح جمع الجوامع میں لکھا ہے: ''یجب على العامی وغيره ممن لم يبلغ مرتبة الاجتهاد التزام مذهب معين من مذاهب المجتهدين"، یعنی ''عامی اور جو شخص مرتبۂ اجتہاد کو نہ پہنچا ہو اس پر مذاہبِ مجتہدین میں سے کسی مذہب معین کا التزام واجب ہے''۔

قول امام شعرانیؒ

اور قطب ربانی امام شعرانی جن کو نواب صدیق حسن خاں مرحوم نے ''تاج مکلل'' میں "عالم محدث صوفی صاحب كرامات كثيره وتاليفات نفيسه متبع سنة مجتنب عن البدعة جامع بين الشريعة والطريقة" لکھا ہے وہ ''میزان کبریٰ'' (ص:۲۴) میں لکھتے ہیں: "فإن قلت فهل يجب على المحجوب عن الاطلاع على العين الأولىٰ للشريعة التقيد بمذهب معين فالجواب نعم يجب عليه ذلك لئلا يضل فی نفسه ويضل غيره"، یعنی ''اگر تم یہ کہو کہ ایسے شخص پر جو درجۂ اجتہاد کو نہ پہنچا ہو مذہب معین کی پابندی واجب ہے یا نہیں تو

(۱) یہ قید اس لیے ہے کہ تفسیر جلالین دو شخصوں کی تصنیف ہے، پہلا حصہ علامہ سیوطیؒ اور دوسرا علامہ محلیؒ۔ (ط)

جواب یہ ہے کہ ہاں اس پر واجب ہے تا کہ نہ خود گمراہ ہو اور نہ دوسروں کو گمراہ کرے‘‘۔

قول علی خواص شیخ شعرانیؒ

اور اسی ’’میزان‘‘ میں یہ بھی ہے: ’’وکان سیدی علی الخواص رحمه الله تعالی إذا سأله إنسان عن التقليد بمذهب معين الآن هو واجب أم لا يقول له يجب عليك التقليد ما دمت لم تصل إلى شهود عين الشريعة الأولى‘‘، یعنی ’’جب کوئی شخص میرے شیخ علی خواصؒ سے پوچھتا کہ تقلید مذہب معین اس وقت آیا واجب ہے یا نہیں، تو وہ جواب دیتے جب تک تم درجۂ اجتہاد کو نہیں پہنچتے، تم پر تقلید واجب ہے‘‘۔

قول علامہ ابن حجر مکیؒ

اور علامہ ابن حجر مکی نے فتح المبین فی شرح الأربعین میں لکھا ہے: ’’أمّا في زماننا فقال أئمتنا لا يجوز تقليد غير الأئمة الأربعة الشافعي ومالك، وأبي حنيفة وأحمد بن حنبل‘‘، یعنی ’’ہمارے ائمہ نے کہا ہے کہ لیکن فی زماننا ائمہ اربعہ یعنی شافعی ومالک وابوحنیفہ واحمد بن حنبل کے سوا کسی اور کی تقلید جائز نہیں‘‘۔

قول علاّمہ طحطاویؒ

اور علامہ طحطاوی نے حاشیۂ درمختار میں لکھا ہے: ’’من كان خارجاً عن هذه الأربعة فی هذا الزمان فهو من أهل البدعة والنار‘‘، یعنی جو شخص فی زماننا ان مذاہب اربعہ سے خارج ہوا پس وہ اہل بدعت ونار سے ہے۔

قول شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی مرحوم

اور شاہ ولی اللہ مرحوم جن کو حضرات غیر مقلدین بہت مانتے ہیں اور نواب صاحب بھوپال نے ’’تقصار‘‘ میں ’’مجتهد العصر ومجدددين‘‘ وغیرہ لکھا ہے، وہ ’’حجة الله البالغة‘‘ میں لکھتے ہیں: ’’هذه المذاهب الأربعة المدونة المحررة قد أجمعت الأمة أو

من يعتد به منها على جواز تقليدها إلى يومنا هذا، وفي ذلك من المصالح مالا يخفى لا سيما فى هذه الأيام التى قصرت الهمم جداً وأشربت النفوس الهوى وأعجب كل ذى رأى برأيه وما ذهب ابن حزم من أن التقليد حرام فغلط"، **یعنی ''تمام امت محمدیہ یا معتد بہ حضرات کا اس پر آج تک اجماع رہا ہے کہ ان مذاہب اربعۂ مدونہ کی تقلید درست ہے اور اس تقلید میں بہت سے مصالح ہیں خصوصاً فی زمانناکہ لوگوں کی ہمتیں قاصر ہوگئی ہیں اور رگ وپے میں ہوائے نفسانی بھرگئی ہے اور ہر شخص کو اپنی رائے بھلی معلوم ہوتی ہے، اور ابن حزم کا یہ زعم کہ تقلید حرام ہے غلط ہے''۔**

اور وہی بزرگ "عقد الجید" **میں لکھتے ہیں:** "اعلم أن في الأخذ بهذه المذاهب الأربعة مصلحةً عظيمةً وفى الإعراض عنها كلها مفسدة كبيرة"، **یعنی'' جان لو کہ مذاہب اربعہ کے اختیار کرنے میں مصلحت عظیمہ ہے، اور ان سب سے اعراض کرنے میں بہت بڑا مفسدہ ہے''۔**

قول شاہ عبدالعزیز دہلوی مرحوم

اور شاہ عبدالعزیز دہلوی مرحوم نے ''سوالات عشر'' میں لکھا ہے:

''سوال ششم آنکہ اگر حنفی المذہب بر مذہب شافعی عمل نماید در بعض احکام بیک از سہ وجہ جائز ست، اول آنکہ دلائل کتاب وسنت در نظر او دراں مسئلہ مذہب شافعی را ترجیح دہد، ودوم آنکہ درین معنی مبتلا شود کہ گذارہ بدون مذہب شافعی نماند مثلِ احکام آبِ چاہ درین دیار احکام مفقود، سوم آنکہ شخصے باشد صاحب تقوی واو راعمل باحتیاط منظور افتد، واحتیاط در مذہب شافعی یا بدمثل صدقہ دادن زائد از قدر دو آثار یا گوشت طاؤس نخوردن وعلی ہذا القیاس، لیکن درین سہ وجہ شرط دیگر ہم ست، وآن این ست کہ تلفیق واقع نشود، یعنی بسبب ترکیب مذاہب صورتے محقق شود کہ بہر دو مذہب روانباشد، مانند آنکہ فصد را ناقض وضو ندارد، باز بہماں وضو نماز، پس امام بے قراءت فاتحہ بگزارد کہ در ہیچ مذہب روانباشد، وضو بر مذہب حنفی باطل گشت ونماز بر

مذہب شافعی، واگر سوائے این وجوہ ثلاثہ ترک اقتدائے حنفی نمودہ اقتدائے شافعی کردیا بالعکس، مکروہ قریب بحرام ست زیرا کہ لعب ست دردین، ومعنی تلفیق انیست کہ دریک عبادت مانند نماز روزہ بردو مذہب عمل کردہ شودواین باطل ست باجماع جمیع علماء، چنانچہ در''درمختار''"کتاب الصلوٰۃ" أوردہ "أن الحکم للملفق باطل بالاجماع". (۱)

قول مولانا محمد اسماعیل دہلوی مرحوم

اور مولانا محمد اسمعیل مرحوم نے ''صراط مستقیم''میں لکھا ہے:

''دراعمال اتباع مذاہب اربعہ کہ رائج درتمام اہل اسلام است بہتر وخوب ست''الخ۔(۲)

(۱) یعنی چھٹا سوال یہ ہے کہ اگر کوئی حنفی بعض مسائل شافعی مسالک پر عمل کرنے لگے تو مذکورہ تین وجوہات میں سے اگر کوئی وجہ پائی جائے تب ہی درست ہوگا ورنہ نہیں، پہلی یہ کہ اس کے نزدیک کتاب وسنت کے دلائل کی روشنی میں اس مسئلہ میں شافعی مسلک راجح نظر آتا ہو۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ وہ اس قدر مصیبت میں ہو کہ فقہ شافعی پر عمل کے علاوہ کوئی چارہ نہ ہو، جیسے کہ کنویں کے پانی کے احکام یہاں نہیں پائے جاتے، تیسری وجہ یہ ہے کہ کوئی شخص بہت متقی ہوا حتیاط پر عمل کرنا چاہے اور احتیاط فقہ شافعی میں ہی ہو مثلاً دوسیر سے زائد مقدار میں صدقہ دینا یا طاؤس (مور) کا گوشت نہ کھانا وغیرہ لیکن ان تین وجوہات کے ساتھ ایک شرط اور بھی ہے اور وہ یہ کہ اس کی وجہ سے تلفیق کی صورت نہ پیدا ہوجائے یعنی دونوں مسلک کو جوڑنے سے کوئی ایسی صورت سامنے آئے جو دونوں مسلکوں میں سے کسی میں بھی جائز نہ ہو، اس کی مثال یہ ہے کہ فصد کھلوانے کو ناقض وضو نہ سمجھ کر اسی وضو سے نماز پڑھ لے اور اس نماز میں سورۂ فاتحہ بھی نہ پڑھے، یہ چیز کسی مسلک کی رو سے درست نہیں ہوگی۔ مسلک حنفی کے مطابق وضو باطل ہوگا اور مسلک شافعی کے مطابق نماز، اور اگر ان تین وجوہ واسباب کے علاوہ کسی صورت میں اس نے مسلک حنفی چھوڑ کر مسلک شافعی پر یا اس کے برعکس عمل کیا تو مکروہ تحریمی ہے کیوں کہ یہ دین کے ساتھ کھلواڑ ہے، اور تلفیق کا مطلب یہ ہے کہ نماز روزہ جیسی کسی بھی عبادت میں دونوں مسلک پر عمل کیا جائے، یہ چیز باتفاق علماء باطل ہے چنانچہ''درمختار''کتاب الصلاۃ میں ہے کہ تلفیق کا عمل باتفاق باطل ہے۔

(۲) اعمال میں بہتر وعمدہ یہ ہے کہ ان مذاہب اربعہ کا اتباع کیا جائے جو تمام اہل اسلام میں رائج ہیں۔

مولانا شاہ محمد اسحٰق دہلوی

اور مولانا شاہ محمد اسحٰق مرحوم نے ''مائۃ مسائل'' میں ایک سوال کے جواب میں لکھا ہے: ''ہرگز مقلد ایشان را بدعتی نخواہند گفت زیرا کہ تقلید ایشاں (۱) تقلید حدیث شریف است باعتبار الظاہر والباطن''۔(۲)

دلیل ثبوت تقلید

جب یہ اقوال دیکھ چکے اوران لوگوں کی رائیں معلوم ہوگئیں تو اب میں کہتا ہوں کہ تقلید کے ثبوت کے باب میں یوں تو لوگوں نے بہت کچھ دلیلیں لکھی ہیں، میں یہاں ایک عام فہم دلیل لکھتا ہوں، ذرا کان لگا کر سنو اور انصاف کو بھی دخل دو، قرآن پاک میں ہے "أطیعوا اللّٰہ وأطیعوا الرسول وأولی الأمر منکم"، اس کے بعد والی آیت کی تشریح تو کچھ آگے چل کے لکھوں گا، یہاں یہ سمجھنا چاہیے کہ اس میں جناب احدیت سے اطاعت اولی الأمر کا ارشاد ہوتا ہے، پہلے یہ سمجھو کہ اولی الأمر کس کو کہتے ہیں، اس کی تفسیر کسی نے سلطان، کسی نے شیخ، کسی نے مجتہد کی ہے، میں کہتا ہوں کہ یہ سب اولوالأمر ہیں، امر دو قسم ہوتے ہیں دنیاوی اور دینی، امر دنیاوی کے بھی چند اقسام ہیں، سیاست مدن کے اعتبار سے سلاطین اولوالأمر ہیں، جو امر کہ انتظام ملک کے متعلق ہو اس میں سلطان کا حکم بجالانا ضرور ہے ورنہ انتظام دنیاوی میں بہت بڑا خلل واقع ہوجائے گا، اسی طرح تدبیر المنزل کے اعتبار سے وہ لوگ جو گھر بھر میں سردار ہوں وہی اولوالأمر ہیں، ان کا حکم بجالانا چاہیے، وقس علی ہذا۔ اور امر دینی یا تو باطنی ہے یا ظاہری جس کو شرع کہتے ہیں، علم باطن کے اولی الأمر تو شیوخ طریقت ہیں، سالکانِ طریقت کو ان کا اتباع

(۱) یعنی مقلد ائمہ اربعہ

(۲) ان لوگوں کے مقلدین کو ہرگز بدعتی نہیں کہہ سکتے کیوں کہ ان کی تقلید ظاہری اور باطنی دونوں اعتبار سے حدیث شریف ہی کی تقلید ہے۔

لازم ہے، اور شرع کے اولی الأ مر مجتہدین ہیں جو کتاب وسنت سے واقف اور ان سے مسائل استنباط کیا کرتے ہیں، امر شرع کے وہ لوگ والی ہو گئے ہیں، اور یہ امر ظاہر ہے کہ اتباع اسی وقت تک کیا جاتا ہے جب تک تابع متبوع کے درجے کو نہ پہنچا ہو، پس اس آیت کریمہ سے صاف ثابت ہے کہ وہ مسلمان جو خود مجتہد نہیں ان کو کسی مجتہد کا حکم بجالانا واجب ہے۔

چونکہ ائمہ اربعہ رحمۃ اللہ علیہم زمرۂ مجتہدین میں داخل ہیں بلکہ بہت بڑے مجتہد ہیں اگر ان کا اتباع کیا جائے تو اس کا جواز اس آیت سے کما حقہ ثابت ہے، رہی ان کی تقلید شخصی اس کو اس آیات سے کچھ علاقہ نہیں بلکہ اس آیتِ کریمہ سے صرف یہی نکلتا ہے کہ غیر مجتہد کو مجتہد کا اتباع چاہیے، اور چونکہ ائمہ اربعہ مجتہد ہیں تو ان کا اتباع جائز نکلا، اور قطع نظر اس سے شاہ ولی اللہ مرحوم جو مستند بین الفریقین ہیں ان کی ''حجۃ اللہ البالغۃ'' سے ثابت ہے کہ تقلید ائمہ اربعہ کے جواز پر اجماع امت محمدیہ ہو گیا ہے کما مر عبارتہ. اور مجھ کو ابھی جواز ہی ثابت کرنا ہے، بحمدہ اس کا ثبوت ہو گیا۔

اب میں کہتا ہوں کہ جائز کبھی ناجائز اور کبھی واجب ہو جاتا ہے، دیکھو نماز پڑھنے کے لئے مسجدوں میں عورتوں کا حاضر ہونا فی نفسہ جائز ہے، زمانۂ نبوی میں عورتیں برابر مساجد میں حاضر ہوا کرتی تھیں، مگر فی زماننا کہ بالکل فتنۂ وفساد سے معمور ہے، ان کا حضور مساجد خصوصاً عیدگاہ میں ناجائز اور جماعتِ مسجد میں نہ شریک ہونا واجب ہے، اگرچہ حضرات غیر مقلدین اس مسئلے میں بھی ہم لوگوں کے خلاف ہیں اور عورتوں کو مساجد میں لے جانے پر زور دے رہے ہیں، مگر ذی فہم کبھی روا نہیں رکھتے، اس باب میں زور دینے والے حضرات اس وقت سمجھیں گے جب بدچلن یا بھولی بھالی عورتوں کو مسجدوں میں بری نظر والوں سے کام پڑے گا، خیر اس مثال کو جانے دیجئے، عورتوں کے لیے علی الأصح فی نفسہ زیارت قبور جائز ہے، مگر اس خیال سے کہ غالبًا یہ ناقصات العقل والدین منہیات قبور میں مبتلا اور طرح طرح کے فتنۂ وفساد کا باعث ہو جائیں گی لہذا ان کے لئے عدم جواز ہی کا فتویٰ دیا جائے گا، وقس علی ہذا۔

جب یہ سن چکے تو اب اصل غرض سنو، مگر خدا کے واسطے اگلے خیالات کو بالائے طاق رکھو، تعصب کو کچھ دخل نہ دو، میں بآواز بلند کہتا ہوں کہ بلا شک غیر مجتہد کے لیے تقلید ائمہ اربعہ بالذات جائز ہے، کچھ واجب نہیں، کسی خاص امام کا پابند نہ ہونا اور غیر مقلد رہنا فی نفسہ درست ہے نہ حرام، مگر میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ جائز کبھی ناجائز کبھی واجب ہوجاتا ہے، تقلید شخصی کی یہی حالت ہے کہ بالذات تو جائز اور بوجہ عروض عوارض واجب ہے، کیونکہ فی زماننا غیر مقلد ہوجانا بلا شک وشبہ موجب فتنۂ وفساد ہے جس کو ابھی میں ثابت کیے دیتا ہوں، اور قرآن پاک میں ہے:
''لا تفسدوا في الأرض بعد اصلاحها'' یعنی ''اصلاح کے بعد تم زمین میں فساد برپا نہ کرو''۔

اس آیت کریمہ سے فساد برپا کرنے کا امتناع ثابت ہے، اور جو چیز کہ باعثِ فتنہ ہوگی وہ بھی ممتنع ہوگی، پس جب میں غیر مقلدیت کا موجب فتنۂ وفساد ہونا ثابت کردوں گا تو ضرور غیر مقلدی ممتنع اور ائمہ اربعہ کی تقلید شخصی کہ باعث رفع فتنۂ وفساد ہے واجب ہوجائے گی، جو لوگ متعصب ہیں گو وہ نہ مانیں مگر انصاف پسندوں کے دل پر اس امر کو نقش کالحجر کیے دیتا ہوں کہ مذاہب اربعہ میں سے کسی مذہب خاص کے پابند نہ رہنے میں اور غیر مقلد ہوجانے میں بلا شک سراسر فتنۂ وفساد ہے، آج کل لوگوں کو جیسا علم ہے ظاہر ہے اور جیسی نفسانیت ہے اظہر من الشّمس ہے، اگر یہی ٹھہر جائے کہ قرآن وحدیث کا مطلب جس کی سمجھ میں جو آئے اس پر عمل کیا کرے اور لوگوں کو اپنی سمجھ کے موافق فتو دے دیا کرے تو میں پہلے پانی کے مسئلہ کی کچھ کیفیت دکھاتا ہوں جو فقہ اور اکثر کتبِ حدیث کا پہلا مسئلہ ہے۔

ایک صاحب کی سمجھ میں یہ آیا کہ قلتین سے کم پانی میں نجاست پڑ جانے سے ناپاک ہوجاتا ہے، دوسرے صاحب کے فہم میں یہ بات آئی کہ پانی کو کتنا ہی قلیل ہو جب تک اوصافِ ثلاثہ میں سے کوئی وصف متغیر نہیں ہوتا ناپاک نہیں ہوتا، تیسرے صاحب کی یہ تحقیق ہوئی کہ بہ فحوائے ''الماء طهور لا يُنجسه شيء'' (۱) پانی باوجود تغیر وصف ناپاک ہی نہیں ہوتا، کوئی

(۱) یعنی پانی پاک ہے اس کو کوئی چیز ناپاک نہیں کرسکتی۔

حدیث اوصاف ثلاثہ کے باب میں وارد ہی نہیں ہوئی اور اگر ہے بھی تو مُتصل السند نہیں، چوتھے صاحب امام ظاہری کے متفق الرائے ہوئے کہ پیشاب سے تو پانی البتہ ناپاک ہوجاتا ہے اور پاخانے سے نہیں کیونکہ حدیث پیشاب کے باب میں وارد ہے، پانچویں صاحب ابن حزم کے ہم خیال ہوئے کہ اگر پانی ہی میں پیشاب کیا تو ناپاک ہوگا اور اگر کسی ظرف میں کیا پھر پانی میں ڈال دیا تو وہ پانی ناپاک ہوجاتا ہے، مگر صرف اسی کے واسطے جس نے پیشاب کیا ہے، دوسروں کے واسطے وہ پانی طاہر ومطہر ہی رہتا ہے۔

اب یہ چھ شخص ہوئے اور فرض کرو کہ ایک ہی مقام میں رہتے ہیں اور ہر ایک کی رائے پانی کے مسئلے میں مخالف ہے اور ہر شخص کا ماخذ حدیث ہی ہے، ہر ایک نے اپنے اجتہاد کے موافق فتویٰ دیا، اب کہو عوام کی کیا کیفیت ہوگی، ہر ایک اپنے مخالف کے قول کو باطل سمجھے گا یا نہیں، تو تو میں میں کی نوبت آجائے گی یا نہیں، ان مفتیوں میں اختلاف ہوجائے گا یا نہیں، متفرق فرقے ہوجائیں گے یا نہیں، ابھی تو نماز روزے کے سیکڑوں احکام باقی ہیں ان میں اختلافات کی وجہ سے کیا دنگے فساد کی نوبت نہ آجائے گی، کیا حضرات غیر مقلدین میں اتفاق رہ سکتا ہے، ہرگز نہیں۔

دیکھو ایک شخص کی سمجھ میں یہ آیا کہ اصول حدیث کچھ کلامِ خدا ورسول تو ہیں نہیں کیا ضرور ہے کہ ان کی پابندی کی جائے، چلیے اس نے یہ قاعدہ رکھا کہ جہاں جرح وتعدیل دونوں ہوں وہاں تعدیل مقدم کی جائے گی، دیکھو اس قاعدے سے سیکڑوں احادیث ضعیفہ صحیح اور احادیث صحیحہ ضعیف ٹھہر جائے گی، دیکھو جس راوی کا کذب فی الحدیث ایک آدھ جگہ بھی ثابت ہوجاتا ہے، تو اس کی کل حدیثیں موضوع کہلاتی ہیں، ایک صاحب نے یہ ضابطہ مقرر کیا کہ جس حدیث کا کذب دلیل سے ثابت ہوجائے وہی موضوع ہے ورنہ موضوع نہیں، دیکھو کتنی موضوع حدیثیں غیر موضوع ہوجائیں گی، اور تم کسی آیت یا حدیث سے اس کو بند نہیں کرسکتے، ضرور نئی دنیا ہوجائے گی اور سارا کارخانہ بگڑ جائے گا، جب معاملات کی نوبت آئے گی تو نفسانیت کے سبب سے ہر فریق اپنی اپنی گون کے مسئلے بیان کرنے لگے گا، مثلاً مسئلہ ارث میں ایک کہے گا کہ تم

کوفلاں حدیث کی رو سے حصہ نہیں پہونچتا، دوسرا اپنا حق جتائے گا۔

اب انصافانہ غور کرو کہ اس وقت کیسا فتنہ برپا ہو جائے گا اور شریعت کا کارخانہ کس قدر درہم برہم ہو جائے گا، تم لاکھ کسی غیر مقلد عالم کی کتاب دکھاؤ گے کہ دیکھوانہوں نے اس باب میں یوں تحقیق کی ہے، مگر دوسرا کیوں ماننے لگا، اس کے دماغ میں جب کچھ اور ہی پیچیدہ ہے تو کسی کا قول اس کے نزدیک کب قابل سند ہوسکتا ہے، ابھی جو اس فرقے میں کچھ اتفاق دیکھتے ہو اس کا سبب یہ ہے کہ یہ لوگ مقلدین کے اعتبار سے نہایت ہی کم ہیں گویا قطرہ و دریا کا فرق ہے، تکثیر سواد کے خیال سے حتی الوسع ملے جلے رہتے ہیں، اگر شہر کا شہر، ملک کا ملک غیر مقلد ہو جائے اس وقت اختلاف کا کچھ اور ہی عالم نظر آئے کیونکہ اصول غیر مقلدیت اسی کے مقتضی ہیں کہ ان میں اتفاق نہ رہے۔

آج ہی دیکھو کہ ان میں اختلافات کیا کم ہیں، دیکھو جو پانی ایک لوٹا ہو اور اس میں پیشاب کی ایک بوند پڑ جائے اس کی نسبت مؤلف ''معیار الحق'' نے اپنے فتویٰ مطبوعہ ۱۲۹۸ھ میں یوں لکھا ہے کہ ''وہ پانی بلا ریب ناپاک ہے اور اس کی ناپاکی میں کچھ شک نہیں'' اور معیار الحق (ص: ۱۵۷) میں لکھا ہے کہ ''پاکی اس پانی کی جو قلتین سے کم ہو ثابت نہ ہوئی''، دیکھو یہ یوں فرماتے ہیں، اور نواب صدیق حسن خاں مرحوم "بدور الاهله" (ص:۲۰) میں لکھتے ہیں کہ ''آب خواہ بسیار باشد یا اندک بوقوع نجاست پلید نمی گردد تا آں کہ بعض اوصاف آن دگرگوں نشود، و مذہب حق و راجح ہمیں است، (۱) اور ''عرف الجاوی'' (ص:۹) میں ہے کہ ''حدیث قلتین کہ در صحیحین نیست زاول ست وراجح عدم فرق ست در قلیل وکثیر و مستعمل واین راجح مذہب ست در نظر تحقیق''۔(۲)

دیکھئے ایک صاحب اس پانی کو بلا ریب ناپاک فرماتے ہیں اور دوسرے بزرگ عدم

(۱) پانی خواہ کم ہو یا زیادہ نجاست وگندگی کرنے سے ناپاک نہیں ہوگا، جب تک کہ اس کے بعض اوصاف بدل نہ جائیں یہی صحیح اور راجح مسلک ہے۔

(۲) قلتین کی حدیث جو بخاری ومسلم میں نہیں کم درجہ کی ہے، راجح یہی ہے، قلیل وکثیر اور مستعمل کے درمیان کوئی فرق نہیں، تحقیق سے اس کی ارجحیت ثابت ہے۔

نجاست کے قائل ہیں اوراسی کوقول راجح اور مذہب حق کہتے ہیں، اور سنیے، مؤلف ''بدورالاہلہ'' وغیرہ کے نزدیک مالِ تجارت میں زکوۃ واجب نہیں اور''ابراء'' (ص:۸۷) میں لکھا ہے کہ''ہم مالِ تجارت میں وجوب زکوۃ کے قائل ہیں، اور ہمارے استاذ جناب مولانا سید محمد نذیر حسین صاحب بھی اس کے قائل ہیں''۔

المختصر سیکڑوں مسائل میں حضرات غیر مقلدین آپس میں اختلاف رکھتے ہیں جس کا بعض مواقع میں خود ان لوگوں نے اقرار کیا ہے، چنانچہ''ازالۃ الشین والرین'' (ص:۲۹) (۱) میں لکھا ہے کہ''مولوی سید نذیر حسین صاحب کے بہت سے معتقدین وتلامذۂ متبعین غیر مقلدین نے جناب نواب صاحب بہادر کا کتنے ایسے مسائل میں کہ جن کو جناب ممدوح نے بہت مبرہن ومحقق اپنی تالیفات میں لکھا ہے خلاف کیا ہے''۔

الغرض کما حقہ ثابت ہوگیا کہ خود ان میں بہت کچھ اختلافات ہیں، اور صرف اختلافات ہی نہیں بلکہ تو تو، میں میں، جوتی پیزار کی بھی نوبت آجاتی ہے،کل کی بات ہے کہ حضرات غیر مقلدین میں بناء عیدگاہ پختہ میں بحث آپڑی، جناب مؤلف ''معیار'' وغیرہ نے اس کے جواز کا فتوی دیا، اور مولوی (۲) محمد سعید بنارسی اور چند تلامذۂ مؤلف ''معیار'' نے اس کو بدعت سیئہ لکھا، فریقین غیر مقلدین نے اپنی اپنی تحریریں چھاپیں، اس مبحث میں وہ وہ بدتہذیبیاں سرزد ہوئیں کہ بیان سے باہر ہیں، ''تحقیق مزید''، ''توثیق الحق السدید''، ''جند التوفیق'' یہ سب رسالے اس بات میں چھپے ہوئے موجود ہیں جس کا جی چاہے دیکھ لے، مناظرۂ مرشدآباد کے بعد حضرات غیر مقلدین جو پھرے تو آپس میں اس قدر جھگڑے کہ الأمان الحفیظ، مہینوں

(۱) یہ کتاب ایک سخت متعصب غیر مقلد کی تالیف ہے جس میں امام ابوحنیفہؒ اور اکثر علمائے حالی پابند تقلید کو بہت کچھ سخت سست سنایا ہے، خصوصاً استاذ ناالمکرّم محدث لکھنوی مرحوم کو تو برملا گالیاں دی ہیں۔

(۲) یہ صاحب کنجاہ کے نومسلم چند سال سے بنارس میں رہتے ہیں، انہوں نے بھی امام ابوحنیفہ وغیرہ کی عیب جوئی میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا، مگر خدا کی شان کہ آخر غیر مقلدوں ہی کے ہاتھ سے ان کو ان کا بدلہ مل گیا، لوگوں نے سارق، کذاب، بےعلم سب کچھ ان کو بنا چھوڑا فاعتبروا یا أولی الأبصار....

اخباروں میں ردوقدح ہوتی رہی اور پھکڑ تک کی نوبت آ گئی، اگر کوئی اس کو نہ مانے تو چاند پر خاک ڈالنے سے خاک نہیں پڑسکتی، لو میں غیر مقلد ہی کی تحریر سے ثابت کئے دیتا ہوں، اخبار ''شحنۂ ہند'' میرٹھ کے اڈیٹر غیر مقلد نے اپنے پرچۂ اخبار مطبوعہ ۲۴؍نومبر ۱۸۸۹ء میں لکھا ہے کہ:

''آج کل ہمارے موحد بھائیوں کے جھگڑوں نے آسمان سر پر اٹھایا ہے۔ پہلے تو قال اللہ قال الرسول پر دار و مدار تھا پھر قولہ اور اقول پر رہا، اب شہدوں لچوں پر فوقیت لے چلا، گالی گلوج پر نوبت آ گئی''۔

لیجئے اب اچھی طرح میں نے ثابت کر دکھایا کہ حضرات غیر مقلدین میں بہت کچھ اختلافات مذہبی ہیں اور ان میں سب وشتم تک کی نوبت آ جاتی ہے اور روز بروز جھگڑے بڑھتے ہی جائیں گے، کیونکہ جب ہر شخص اس کا مجاز ہو جائے گا کہ کتاب وسنت سے جس کی سمجھ میں جو آئے اس پر عمل کرے اور لوگوں کو فتوے دے تو طبیعتیں تو مختلف ہیں اور عقل وفہم جدا گانہ، پھر اتفاق کی کیا صورت ہے، خصوصاً ایسی حالت میں کہ لوگوں میں نفسانیت بھری ہو اتفاق یعنی چہ، جب غیر مقلدیت فتنہ وفساد کی جڑ ٹھہری تو رفعاً للفساد اس سے احتراز واجب ٹھہرا، اور کسی مذہب خاص کی پابندی لازم، اور چونکہ ائمہ اربعہ کے سوا کسی اور امام کا مذہب مدون نہیں اور نہ ان کے اتباع موجود ہیں، پس انہیں چاروں میں سے کوئی خاص مذہب اختیار کرنا ضرور ہوا۔

میرا یہ مطلب نہیں کہ ائمہ اربعہ میں سے کسی خاص امام کے کل مسائل پر مفتی بہا ہوں یا نہ ہوں عمل لازم ہے، بلکہ مقصود یہ ہے کہ مسائل مفتی بہا پر عامل ہونا چاہیے، عام اس سے کہ وہ مسئلہ امام کا ہو یا ان کے تلامذہ یا علمائے کرام مقلدین کا، اور یہی معنی تقلید شخصی کے ہیں، مثلاً مذہب حنفی میں بھی اکثر مسائل مختلف فیہا ہیں، جناب امام کچھ کہتے ہیں اور صاحبین کچھ اور فرماتے ہیں، مگر فتوی کسی ایک کے قول پر ہے، پس مسائل مفتی بہا کی حیثیت سے مذہب حنفی میں ایک خاص مذہب نکل آیا تو رفعاً للفساد اسی کی تقلید چاہیے اور اسی کو تقلید شخصی سمجھو، اگر یہ کہو کہ جب کبھی جناب امام اور کبھی تلامذۂ امام کے قول پر عمل کرنا ہوا تو تقلید شخصی کہاں رہی کیونکہ اس کا ظاہری مفہوم تو یہ ہے کہ ایک ہی کی تقلید کی جائے تو اس کا جواب یہ ہے کہ شخصی بمعنی معین ہے، اور

یہ صفت مذہب مقدر کی ہے، تقلید شخصی یعنی تقلید مذہب معین، اور میں کہہ چکا کہ مذہب حنفی میں جو مسائل مفتی بہا ہیں ان کا مجموعہ بھی ایک مذہب خاص ہے پس تقلید شخصی کا اطلاق درست ٹھہرا۔

اور اگر تقلید شخصی کے معنی شخص خاص کی تقلید کہو تو بھی مضائقہ نہیں کیونکہ جہاں کہیں کہ شاگردان واتباعِ جناب امام کے قول پر فتویٰ دیا گیا ہے تو وہ بھی اسی وجہ سے کہ تلامذہ واتباع کا قول ہے مجازاً امام صاحب کی طرف منسوب ہوسکتا ہے، یا یوں سمجھو کہ حسب تحقیق علامہ ابن ہمام تلامذۂ جناب امام نے اقرار کیا ہے کہ ہمارا کوئی قول ایسا نہیں جو امام ابوحنیفہؒ سے ہم کو اس کی روایت نہ ہو، چنانچہ شعرانی نے ''میزان کبریٰ'' میں لکھا ہے:

"ونقل الشيخ كمال الدين بن الهمام عن أصحاب أبي حنيفة كأبي يوسف ومحمد وزفر والحسن أنهم كانوا يقولون ما قلنا في مسألة قولاً إلا وهو روايتنا عن أبي حنيفة وأقسموا على ذلك ايماناً مغلظة". (۱)

الغرض وہ اقوال مفتی بہا جو تلامذہ واتباعِ جناب امام کے ہیں وہ جناب امام کی طرف منسوب ہوسکتے ہیں، اوران پر عمل گویا جناب امام ہی کی تقلید ہے، پس تقلید شخصی کا اطلاق درست ہے۔

بہر کیف جب ثابت ہوگیا کہ غیر مقلدیت فتنہ وفساد کی جڑ ہے اور تقلید مذہب معین سراسر موجبِ صلاح وباعثِ رفع فساد ہے، غیر مقلدی ناجائز اور تقلید شخصی واجب بالعرض ٹھہری، اگر غور سے دیکھو تو جمہور کا انہیں چاروں میں سے کسی ایک مذہب کا پابند ہوجانا اور مطلق العنانی کہ موجب اختلافات کثیرہ ہے، اس سے باز آنا کچھ آسان امر نہ تھا مگر کچھ خدا ہی کی عنایت خاص تھی کہ یہ بات ہوگئی، لیکن افسوس کہ حضرات غیر مقلدین نے اس جمی جمائی بات کی کچھ قدر نہ کی اور اس میں ایک شاخ نکال دی، تعجب ہے کہ ہر چارطرف انجمنیں قائم ہورہی ہیں، اتفاق اتفاق کی صدائیں آرہی ہیں اور یہ کوئی خیال ہی نہیں کرتا کہ جب غیر مقلدی ہے تو اتفاق یعنی چہ؟

(۱) شیخ کمال الدین بن ہمام نے امام ابوحنیفہؒ کے اصحاب امام ابویوسفؒ اور امام محمدؒ، امام زفرؒ وغیرہ نے نقل کیا ہے کہ وہ کہتے تھے اگر کسی مسئلہ میں ہم نے کوئی رائے دی ہے تو وہ امام ابوحنیفہؒ سے ہم نے روایت کی ہے اور اس پر انہوں نے قسمیں کھائیں۔

میرا یہ ہرگز خیال نہیں کہ تقلید شخصی کرنے سے کچھ اختلاف ہی نہیں ہوسکتا، جب میں اپنی آنکھوں سے بعض جزئیات مسائل میں علمائے مقلدین کومختلف دیکھ رہا ہوں تو کیوں کر آنکھوں میں خاک ڈال دوں، بیشک اختلافات ہیں اور قیامت تک کچھ نہ کچھ اختلافات رہیں گے، مگر بات یہ ہے کہ اکثر مسائل عبادات ومعاملات مفتی بہا ہو چکے ہیں، اور بعض مسائل جو ہنوز طے نہیں ہوئے وہ ایک تو خود قلیل ہیں، دوسرے ان میں سے اکثر ایسے ہیں جن پر صوم وصلاۃ وعبادات موقوف نہیں، بخلاف غیر مقلدیت کے کہ اس کی وجہ سے نماز روزے کے سیکڑوں احکام میں اختلافات ہوجائیں گے، معاملات میں اپنی اپنی گوان کے مسئلے بیان ہونے لگیں گے۔

اس کی بہی خواہی کے دم بھرنے والو! دیکھو مسلمانوں میں پھوٹ نہ ڈالو، ذرا نشیب وفراز کو سمجھو، اس جمی جمائی بات میں رخنہ اندازی نہ کرو، ائمہ اربعہ کی تقلید شخصی سے نہ خود باہر ہو اور نہ لوگوں کو باہر ہونے دو، ورنہ اختلافات مٹانے میں دانتوں پسینے آجائیں گے اور تم سے کچھ نہ ہوسکے گا، ہاں اگر کتاب وسنت کی خدمت کرتے کرتے کسی مسئلے میں اجتہاد کا درجہ نصیب ہوجائے تو اس مسئلے میں خود کسی کی تقلید نہ کرو اور بعنوان مناسب اپنے اجتہاد پر اس طرح عمل کرو کہ فساد برپا نہ ہونے پائے اور دوسرے لوگوں کو اپنے حال پر رہنے دو کیونکہ عوام کو تو ائمہ اربعہ کی تقلید شخصی سے چارہ نہیں، مذاہب اربعہ کو ترک کرنا کسی طرح زیبا نہیں، ہاں اگر کوئی خدا کا بندہ ایسا پیدا ہوگیا کہ ناسخ ومنسوخ، عام وخاص، مطلق ومقید، مجمل ومبین وغیرہ احکام کی تمیز رکھتا ہو اور حدیث کے جمیع اقسام کو جانتا ہو اور راویوں کے حالات سے کما حقہ واقف ہو، قرآن وحدیث کا حافظ ہو، قوت استنباط مسائل بھی رکھتا ہو، سفہاء الأحلام سے نہ ہو، مجتہدین میں جو اوصاف چاہیں وہ سب رکھتا ہو، پھر تائید یزدانی ایسی شامل حال ہو کہ جمہور مسلمان اس کے تابع ہوجائیں اور اتنی قدرت بھی رکھتا ہو کہ جو کوئی اس کے حکم کے خلاف کرے اور ڈیڑھ اینٹ کی مسجد جدا بنائے تو بفحوائے حدیث ''من أتاكم وأمركم جميع على رجل واحد يريد أن يشق عصاكم

ویفرق جماعتکم فاقتلوہ"، (۱) (رواہ مسلم)،اس کی سزا بھی کر سکتا ہو،تا کہ پھر فساد برپا نہ ہو۔ ایسی حالت میں مذاہب اربعہ کو چھوڑ کر اس شخص کی تقلید کرنی درست ہوگی، کیونکہ اصل مقصود تقرب خداوندی ہے، ائمہ دینؒ بلکہ انبیاء تک صرف واسطے ہیں، جب کوئی بے خرخشہ واسطہ مل جائے تو اس کے اختیار کرنے میں کیا مضائقہ ہے؟ مگر بات یہ ہے کہ اللہ تعالی جل شانہ کے ہاتھ میں یوں تو سب کچھ قدرت ہے مگر بظاہر ایسے شخص کا وجود بجز امام مہدیؑ موعود مستبعد ہی مستبعد ہے۔المختصر جب تک نہ ایسے شخص کا وجود ہے اور نہ خود درجۂ اجتہاد حاصل ہے،تو مذاہب اربعہ میں سے کسی مذہبِ معین کی تقلید واجب رہے گی اور دائرۂ تقلید سے قدم باہر رکھنا ہرگز جائز نہ ہوگا۔

جواب بعض اعتراضات

یہاں پر حضرات غیر مقلدین یہ اعتراض کرتے ہیں کہ مقلدین جہاں کہیں قول امام کو قول نبوی کے خلاف بھی پاتے ہیں تو نہیں چھوڑتے حالانکہ خود انکے امام ابوحنیفہؒ کا قول ہے "اترکوا قولی بخبر الرسول" یعنی میرے قول کو جہاں خبر رسول کے خلاف پاؤ چھوڑ دو،ان کے امام تو یوں فرمائیں اور یہ لوگ تقلید پر اڑے رہیں،اس کا جواب یہ ہے کہ ایسی حالت میں امام صاحب اپنا قول ترک کرنے کو کہیں یا نہ کہیں اور اس باب میں نصِ صریح ہو یا نہ ہو عقل ہی کہہ دیتی ہے کہ حکم نبوی کے خلاف کرنا مسلمانوں کی شان سے نہایت بعید ہے، اللہ اللہ جو شخص آں حضرت ﷺ کو رسول برحق جانتا ہے، بھلا اس سے ایسی جرأت ہوسکتی ہے کہ زید وعمرو کے کسی ایسے قول پر جس کو صریح خلافِ قول نبوی جانتا ہے عمل کرے اور قول معصوم کو نظر انداز کرے، مسلمانوں کو تو یہی لازم ہے کہ بفحوائے "مااتکم الرسول فخذوہ"، آپ کا حکم مان لیا کریں، اور اس پر عمل کیا کریں، رہی یہ بات کہ مقلدین ایسا اور ویسا کیا کرتے ہیں محض ابلہ فریبی ہے، کیونکہ مقلد اگر عامی ہے تو اس بیچارے کو اسی میں تردد ہوتا ہے کہ یہ حدیث جو مخالف نے پیش کی ہے کیسی ہے، موضوع ہے یا غیر موضوع ہے یا صحیح، وقس علی ہذا، اور اگر عالم ہے مگر اس کو متقدمین

(۱) اگر تمہارا کسی بات پر اتفاق ہو اور کوئی شخص آ کر تمہیں منتشر اور تمہاری جمعیت کو پراگندہ کرنا چاہے تو اس کو قتل کر دو۔

کی طرح دینیات میں تبحر نہیں، حدیث وفقہ کی پانچ چھ کتابیں پڑھ لی ہیں تو ایسا شخص اگر امام صاحب کا کوئی مسئلہ ظاہر حدیث کے خلاف دیکھتا ہے تو اس کو باور نہیں آتا کہ فی الواقع اس کی مؤید کوئی حدیث نہیں، مروجہ کتب احادیث میں نہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اور کتابوں میں بھی نہ ہو، یہ تو عقلاً ونقلاً ثابت ہے کہ جمیع احادیث ان کتب متداولہ میں درج نہیں، عقلاً تو اس لیے کہ دن بھر میں آدمی سیکڑوں کام اور ہزاروں باتیں کیا کرتے ہیں اور لوگوں کے بیسوں افعال نظر سے گذرا کرتے ہیں، اب خیال کرو کہ آں حضرت ﷺ جن کا کام ہمیشہ تعلیم تھا، رات دن میں کتنے کام کرتے ہونگے اور کتنی باتیں ارشاد فرماتے ہونگے اور صحابہ کے کتنے افعال نظر سے گذرتے ہوں گے، اور آپ پسند فرما کر سکوت کرتے ہونگے، یہ سب اقسام حدیث سے ہیں، پس اگر ان صحاح مروجہ میں کل حدیثیں درج ہوتیں تو ظاہر ہے کہ ایک بار شتر ہوجاتا، اور نقلاً اس سبب سے کہ پہلے لوگوں کو لاکھوں حدیثیں یاد تھیں۔ اسحٰق بن راہویہؒ کو دیکھئے کہ ان کو ستر لاکھ حدیثیں یاد تھیں۔ چنانچہ نواب صدیق حسن خاں مرحوم ''اتحاف النبلاء'' میں لکھتے ہیں: ''وخود اسحٰق گفتہ، ہفتاد صد ہزار حدیث یاددارم''۔ (۱) مگر پھر بھی صحاحِ مروجہ میں سے کوئی ایسی کتاب نہیں جس میں دس ہزار حدیثیں بھی ہوں، جب مروجہ کتب احادیث کا یہ حال ہے تو ممکن ہے کہ ائمہ اربعہ خصوصاً امام اعظمؒ جو ۸۰ھ میں پیدا ہوئے تھے، بوجہ قرب زمانۂ نبوی اپنے مسئلہ فقہیہ کی مؤید کوئی حدیث پا گئے ہوں، جو صحاح مروجہ میں نہیں، اس کے علاوہ بالفرض مانحن فیہ میں بھی حدیث ہے جس کو مخاصم نے پیش کیا ہے، مگر ممکن ہے کہ ہمارے امام کے نزدیک کسی امر قادح کی وجہ سے قابل حجت نہ ٹھہری ہو، اگر یہ سوچ کے کسی حدیث کو تسلیم نہیں کیا تو کچھ مضائقہ نہیں، کیونکہ صحابہ نے بھی بعض دفعہ حدیث صحیح کو رد کر دیا ہے، چنانچہ صحیحین وغیرہما میں ہے کہ ایک شخص حضرت عمرؓ کے پاس آیا اور بولا کہ میں ناپاک ہوگیا ہوں اور غسل کے لیے پانی نہیں ملتا، حضرت عمرؓ نے اس کو نماز پڑھنے سے منع کیا تب حضرت عمارؓ بولے کہ میں ایک دفعہ جنب ہوگیا تھا پانی نہ ملا تو مٹی میں لوٹ کے نماز پڑھ لی، جب آں حضرت ﷺ نے یہ واقعہ سنا تو آپ نے تیمّم کی تعلیم

(۱) یعنی خود اسحاق بن راہویہ نے اعتراف کیا ہے کہ مجھے ستر ہزار حدیثیں یاد ہیں۔

فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ یہ تم کو کافی تھا ناحق مٹی میں لوٹے، جب حضرت عمرؓ نے یہ حدیث سنی تو ہرگز نہ مانی بلکہ اس حدیث کے بیان کرنے سے بھی عمارؓ کو منع کیا، دیکھو اس تیمّم کے باب میں وہ حدیث صحیح تھی حتی کہ طبقۂ ثانیہ میں طُرق کثیرہ سے مروی ہوگئی اور لوگ تیمّم جنب کے قائل ہو گئے مگر حضرت عمرؓ نے عمارؓ کے بیان کو نہ مانا، اور اپنی رائے پر قائم رہے۔

اسی طرح فاطمہ بنت قیسؓ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بیان کیا کہ میں مطلقۃ الثلاث ہوگئی تھی، میرے لیے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نفقہ وسکنی کچھ مقرر نہیں کیا، حضرت عمرؓ نے نہ مانا اور کہا کہ ’’میں ایک عورت کے کہنے سے کہ خدا جانے سچ کہتی ہے یا جھوٹ بولتی ہے کتاب اللہ کو نہ چھوڑوں گا‘‘۔

اب غور کرو کہ حضرت عمرؓ نے ان حدیثوں کو کیوں رد کردیا، کیا ان کے دل نے قبول کرلیا تھا کہ یہ بیشک قول نبوی ہے اور جو مطلب یہ لوگ سمجھے ہیں وہی آپ کی بھی مراد تھی پھر بھی اپنی رائے پر قائم رہے، ہرگز نہیں، ایسی بات تو وہی شخص کہے گا جو صحابہؓ کا منکر، حضرت عمرؓ کا دشمن ہے، بلکہ وجہ یہ تھی کہ یا تو صدق حدیث ہی میں ان کو تامل ہوا یا یہ سمجھے کہ مراد نبوی کچھ اور ہوگی یہ لوگ کچھ اور سمجھ گئے۔

پس اسی پر مقلدین کو سمجھ لیجئے کہ قول نبوی کے تسلیم میں کچھ عذر نہیں کرتے بلکہ کسی حدیث کے تسلیم میں اگر ان کو کچھ تامل ہوتا تو صرف اس وجہ سے کہ یا تو قول نبوی ہی ہونے میں ان کو شک ہوتا ہے یا یہ سمجھتے ہیں کہ عجب نہیں کہ ہمارے امام نے اس حدیث کو کسی امر قادح کی وجہ سے قابل حجت نہ جانا ہو اور اماموں کو یہ سمجھ کر کہ وہ لوگ اعرف بالسنۃ تھے، ان کے مسائل کتاب وسنت ہی سے مستنبط ہیں، اپنے اپنے امام کے قول پر عمل کیا کرتے ہیں، پس ایسی حالت میں ان پر کچھ الزام نہیں، اگر عموماً انکار حدیث باعثِ الزام ہے تو سب سے پہلے صحابہ پر اعتراض جمتا ہے کہ بعض دفعہ حدیث صحیح کی تسلیم سے صاف انکار کر بیٹھے ہیں اور اپنی رائے پر قائم رہے ہیں، ہاں الزام تو جب ہو کہ کسی مقلد کو اچھی طرح ثابت ہو جائے کہ یہ قول نبوی ہے، اور اس میں

کوئی امر قادح نہیں اور ہمارے امام کا قول صریحاً اس کے خلاف ہے، اور یہ بات جب تک آدمی درجۂ اجتہاد کو نہ پہونچ جائے حاصل نہیں ہوسکتی۔

اسی سبب سے امام شعرانی نے الیواقیت والجواهر میں اُترکوا قولی ...الخ کی نسبت لکھا ہے وہو ”محمول علی من أعطی قوة الاجتهاد“.(۱) اور قرآن پاک میں جو ”فإن تنازعم فی شئ فردوه إلی الله والرسول“. آیا ہے اور اس آیت میں وقت اختلاف کے اللہ ورسول کی طرف رجوع کرنے کا حکم ہے تو یہ اس کے لیے ہے کہ جس کو اس کا مادہ بھی ہو، ہر شخص کا کام نہیں، جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم خود موجود نہیں کہ چل کے مسائل خلافیہ کو پوچھ لیجئے اختلافات ائمہ کو مٹا دیجئے، رہیں حدیث کی کتابیں تو بوجہ احتمال نسخ وموضوعیت وضعف وغیرہ ہر شخص ان کے ذریعہ سے اقوال ائمہ کو رد إلی الله والرسول کر کے باطل نہیں کرسکتا، یہ کام مجتہد ہی کا ہے۔

اور میں تو کہتا ہوں کہ جس عالم مقلد کو کتب دینیہ کی خدمت کرتے کرتے درجۂ اجتہاد نصیب ہوجائے اس کو ایسے مسائل فقہیہ پر جن کو صریحاً خلاف کتب وسنت جانتا ہے عمل کرنا زیبا نہیں، اور جب تک یہ رتبہ حاصل نہیں ہوا اس کو مذاہب اربعہ میں سے کسی مذہب کی پابندی ضرور ہے، مگر اسکے ساتھ ہی میرا یہ بھی خیال ہے کہ جو لوگ پابند تقلید شخصی نہیں گو کیسے ہی برے ہوں مگر صرف انکار تقلید کے سبب سے وہ دائرہ اہل سنت سے ہرگز خارج نہیں ہوسکتے، کیا اندھیر ہے کہ متعصب غیر مقلدین نے تو مقلدوں کو مشرک بنا چھوڑا اور جہال مقلدین نے منکرین کو کافر تک کہہ ڈالا۔ نعوذ بالله من ذلك۔

جو لوگ خدا اور رسول وقرآن وحدیث وصحابہ وغیرہم کو مانتے ہیں، کلمہ گو ہیں، اہل قبلہ ہیں، میں ان کو کیونکر مسلمان نہ کہوں، واجب بالذات کا منکر تو کافر ہی نہیں، جو چیز کہ بالعرض واجب کہی جائے اس کے منکر کی تکفیر کیونکر ہوسکتی ہے، بلکہ میں بہ آواز بلند کہتا ہوں کہ جو لوگ اپنے آپ کو مقلد کہتے ہیں مگر نماز تک نہیں پڑھتے، مزے سے تاڑی شراب پیا کرتے ہیں، ناچ

(۱) یہ ان لوگوں کے لیے ہے جنہیں اجتہاد کی قوت حاصل ہے۔

رنگ میں مشغول رہا کرتے ہیں ان سے وہ محتاط غیر مقلدین جو ائمہ دین کو برا بھلا نہیں کہتے میرے نزدیک ہزار درجے اچھے ہیں، بیشک فی زمانناپابندِ تقلید نہ ہونا باعث فتنۂ وفساد ہے جس سے احتراز واجب ہے کما مر مراراً لیکن صرف انکار تقلید سے وہ لوگ کسی طرح دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہوسکتے، احادیث صحیحہ سے کما حقہ ثابت ہے کہ مسلمان کی تکفیر نہایت ہی گناہ کی بات ہے، جو لوگ بے کھٹکے کسی کلمہ گو کو کافر کہہ دیتے ہیں قیامت میں کیا جواب دیں گے اور جو لوگ تقلید کو حرام کہہ کے مسلمانوں کی جماعت میں پھوٹ ڈالتے ہیں، آپس میں بغض وکینہ بڑھاتے ہیں، جمی جمائی بات میں رخنہ اندازی کرتے ہیں، خدا جانے آنخضرت ﷺ کو کیا منہ دکھائیں گے، وأفوض أمری إلی اللہ إن اللہ بصیر بالعباد۔

اثباتِ حقیت مذہب حنفی بطریق کشف ورویائے صالحہ

تحریرات سابقہ سے اگرچہ اور مذاہبِ حقہ کے ضمن میں مذہبِ حنفی کا بھی ہونا ثابت ہو چکا، مگر چونکہ متعصبین اس مذہب پر زیادہ منہ آیا کرتے ہیں لہٰذا اس فصل میں پہلے اربابِ طریقت کے چند کشف لکھتا ہوں، پھر بعض رویائے صالحہ کا ذکر کرتا ہوں جن کو دیکھ کر حضرات حنفیہ نہایت ہی باغ باغ ہوجائیں گے بلکہ مجھ کو تو یہ امید ہے کہ مخالفین اگر عقل وانصاف کو کچھ دخل دیں گے تو وہ بھی ضرور ڈھیلے ہوجائیں گے۔

بحث کشف ورویائے صالحہ

پہلے کشف کی کیفیت سنو، خدا بخشے، نواب صدیق حسن خاں ''ریاض المرتاض'' (ص:۲۰) میں لکھتے ہیں ''کشف اولیاء والہام شان موجبِ علمِ ظنی ست، الی قولہ، پس عمل کردن موافق کشف والہام جائز ست اگر مخالف قرآن وحدیث اجماع وقیاس صحیح جلی نباشد''۔(۱)

(۱) اولیاء کا کشف اوران کا الہام موجب علم ظنی ہے، اس کے بعد لکھتے ہیں ''ابہام وکشف کے مطابق عمل اگر وہ قرآن وحدیث اجماع اور قیاس جلی کے خلاف نہ ہو جائز ہے۔

اب رویائے صالحہ کا حال سنو کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ نے جس طرح آنحضرت ﷺ کو اور کمالات وفضائل عطا فرمائے ہیں اسی طرح یہ فضیلت بھی بخشی ہے کہ شیطان مردود کو ہرگز طاقت نہیں کہ خواب میں آپ کی صورت بن کر کسی کے سامنے آئے اور کچھ بہکائے، صحیحین میں ہے:

"قال رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ من رانی في المنام فقد رانـي فـإن الشيـطـان لايتمثل بي"، یعنی آں حضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ جس نے خواب میں مجھ کو دیکھا حقیقت میں مجھی کو دیکھا کیونکہ شیطان میری صورت کے ساتھ متمثل نہیں ہوسکتا۔

پہلے یہ سمجھو کہ آنحضرت کو خواب میں دیکھنے کے کیا معنی، آیا یہ مراد ہے کہ جو صورت حلیۂ شریف کے مطابق ہو وہ خواب میں نظر آئے یا مطابقت کی کچھ قید نہیں، کچھ لوگ شقِّ اول کی طرف گئے ہیں اور اکثر محققین نے صورتِ ثانی اختیار کی ہے، یعنی اس کے قائل ہیں کہ حلیے کے موافق ہو یا نہ ہو حقیقت میں اس نے آپ ہی کو دیکھا نہ شیطان کو۔

اور ظاہر ہے کہ جب کوئی شخص خواب میں کسی چیز کو دیکھتا ہے اور اس کے ذہن کو القا ہوجاتا ہے کہ یہ فلاں چیز ہے تو وہ صورت مرئیہ گو شکل اصلی سے کچھ فرق رکھتی ہو تو بھی وہ یہی سمجھتا ہے کہ میں نے فلاں چیز خواب میں دیکھی، غرض کہ کسی شخص کا خواب میں دیکھنا اس کے معنی متبادر یہی ہیں کہ کوئی صورت خواب میں نظر آئے اور ذہن کو القا ہوجائے کہ یہ فلاں شخص ہے، پس حدیث کا مطلب یہ ٹھہرا کہ جس کسی نے کوئی صورت خواب میں دیکھی اور اس کے ذہن کو القا ہو گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ صورت ہے تو حقیقت میں وہ آپ ہی کی صورت ہوتی ہے۔

رہی یہ بات کہ صورتیں مختلف کیوں نظر آتی ہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ آئینہ دل ہمیشہ یکساں نہیں رہتا، ظاہر ہے کہ جیسا صاف آئینہ ہوگا ویسی ہی اس میں صاف صورت نظر آئے گی، اور جن لوگوں نے مطابقت حلیہ کی قید لگائی ہے ان کے قول کو اکثر محققین نے ضعیف کہا ہے" امام نووی نے شرح صحیح مسلم (ص:۲۴۳) میں لکھا ہے:

"قال القاضی ویحتمل أن یکون قوله صلی الله علیه وسلم فقد رانی أو فقد رأی الحق فإن الشیطان لا یتمثل فی

صورتي المراد به إذا راٰه على صفته المعروفة له في حياته، فإن رأى على خلافها كانت رؤيا تأويل لا رؤيا حقيقية وهذا الذي قاله القاضي ضعيف بل الصحيح أنه يراه حقيقة سواء كان على صفته المعروفة أو غيرها كما ذكره المازري". یعنی قاضی عیاض نے کہا ہے کہ احتمال یہ بھی ہے کہ حدیث فقد رانی ...الخ سے مراد یہ ہو کہ خواب دیکھنے والا آں حضرت ﷺ کو اس صفت معروفہ پر دیکھے جو عالم حیات میں تھی، پس اگر خلاف اس کے دیکھا تو یہ رویائے تاویل ہے، اور یہ قول قاضی کا ضعیف ہے، بلکہ صحیح یہ ہے کہ حقیقت میں آپ ہی کو دیکھا عام اس سے کہ حلیے کے موافق ہو یا نہ ہو جیسا کہ علامہ مازری نے ذکر کیا ہے۔

اور علامۂ طیبی نے "کاشف عن حقائق السنن" میں لکھا ہے:

"قال القاضی قال بعضهم خص اللّٰه سبحانه وتعالى النبی ﷺ بأن رؤية الناس إياه صحيحة وكلها صدق، ومنع الشيطان أن يتصور فی خلقته لئلا يكذب على لسانه فی النوم، وكما خرق اللّٰه سبحانه العادة للأنبياء بالمعجزة وكما استحال أن يتصور الشيطان فی صورته فی اليقظة ولو وقع لا شتبه الحق بالباطل ولم يوثق بما جاء به مخافة من هذا التصور فحماها الله تعالى من الشيطان ونزعه ووسوسته واغوائه وكيده كذا حمی رؤياهم عنه بالنوم". یعنی قاضی عیاض نے کہا ہے کہ بعضوں نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس امر میں مخصوص کیا ہے کہ آپ کو خواب میں دیکھنا رویائے صالحہ سے ہے اور ہر خواب سچا ہے کیونکہ شیطان کو آپ کی صورت کے ساتھ متشکل ہونے کی قدرت نہیں عطا کی تا کہ خواب میں آپ کی طرف سے جھوٹ کہہ کہہ کے نہ بہکائے، اور جس طرح انبیاء علیہم السلام کو خرقِ عادات بالمعجزہ عطا کیے ہیں اور جس طرح عالم بیداری میں شیطان کو آپ کے تشکل کی

طاقت نہیں دی تا کہ حق و باطل میں فرق رہے اور احکامِ رحمانی میں وسوسۂ
شیطانی کا شبہ واقع نہ ہو، اسی طرح خواب میں بھی لوگوں کو کید شیطانی سے
محفوظ رکھا کہ ابلیس لعین خواب میں آپ کی صورت بن کر نہیں بہکا سکتا''۔

اور علامہ قسطلانی نے شرح صحیح بخاری میں لکھا ہے: "والصحیح أنها حقیقة سواء کان علی صفته المعروفة أو غیرها"، یعنی ''صحیح یہ ہے کہ حقیقت میں دیکھنے والے نے آپ ہی کو دیکھا ہے عام اس سے کہ وہ صورت مرئیہ حلیے کے موافق ہو یا نہ ہو''۔

اور علامہ ابن رجب نے اپنے طبقات میں حافظ ابن مندہ کے ترجمے میں ایک خواب نقل کر کے لکھا ہے: ''قال ابن منده فما قال رسول الله ﷺ فی نومه ویقظته فهو حق''، یعنی حافظ ابن مندہ نے کہا ہے کہ آں حضرت ﷺ نے جو کچھ ارشاد فرمایا ہے عالم رویا میں ہو یا بیداری میں وہ حق ہے۔

کشف امام شعرانی

جب یہ تمہیدات سن چکے تو اب انصافانہ ملاحظہ ہو، قطب ربانی امام شعرانی ''میزان کبریٰ'' (ص:۳۲) میں لکھتے ہیں: "وقد تقدم أن الله تعالی لما من علی بالاطلاع علی عین الشریعة رأیت المذاهب کلها متصلة بها ورأیت مذاهب الأئمة الأربعة تجری جداولها کلها ورأیت جمیع المذاهب التی اندرست قد استحالت حجارة ورأیت أطول الأئمة جدولاً الإمام أبا حنیفة ویلیه الإمام مالك ویلیه الإمام الشافعی ویلیه الإمام أحمد بن حنبل الخ"، یعنی اوپر گذر چکا کہ مجھ کو اللہ تعالیٰ کے احسان سے عین شریعت سے اطلاع ہوگئی تو کشف میں کل مذاہب کو بحرِ شریعت سے متصل پایا اور ائمہ اربعہؒ کے مذاہب کو دیکھا کہ ان کی نہریں جاری ہیں اور جو مذاہب حقہ مندرس ہوگئے ہیں وہ خشک ہو کر پتھر نظر آ رہے ہیں، اور سب سے بڑی نہر امام ابوحنیفہؒ کی دیکھی، پھر اس کے قریب قریب امام مالکؒ کی، پھر امام شافعیؒ کی، پھر امام احمد بن حنبلؒ کی''۔

کشف مجدد الفِ ثانی

اور امام ربانی مجدد الف ثانی جن کی نسبت نواب صدیق حسن خاں مرحوم نے ''ریاض المرتاض'' (ص:۳۱) میں لکھا ہے:

''علوِ مرتبۂ کشفہائے مجدد الفِ ثانی دریافت باید کرد کہ از سر چشمۂ صحو سرزدہ، وگاہے مخالف شرع نیفتادہ بلکہ بیشتر را شرع مؤید ست''۔(۱)

وہی بزرگ اپنے مکتوبات جلد ثانی مکتوب پنجاہ و پنجم میں لکھتے ہیں کہ:

''بے شائبۂ تکلف و تعصب گفتہ میشود کہ نورانیت ایں مذہبِ حنفی بنظر کشفی دررنگ دریائے عظیم می نماید و سائر مذاہب دررنگِ حیاض و جداول بنظر می درآیند و بظاہر ہم کہ ملاحظہ نمودہ می آید سوادِ اعظم از اہل اسلام متابعان ابی حنیفہ اند'' (۲) علیہم الرضوان''۔

امام شعرانیؒ اور مجدد الف ثانیؒ دونوں کے کشف کا مآل واحد ہے جس سے اور بھی اس کشف کو قوت ہوگئی، دیکھو صاحب ''ریاض المرتاض'' (ص:۲۱) نے بھی لکھا ہے:

''واگر کشف دو کس باہم متوافق شود ظن غالب شود''۔(۳)

اور وہی حضرت مجدد اپنے رسالے ''مبدأ و معاد'' میں لکھتے ہیں:

''و بریں فقیر ظاہر ساختہ اند کہ در خلافیاتِ کلام حق بجانب حنفی ست الی قولہ و در خلافیات فقہی در اکثر مسائل حق بجانب حنفی ست و در اقل متردد''۔(۴)

(۱) حضرت مجدد الف ثانی کے کشف کا یہ مقام ہے کہ ہمیشہ حالت صحو و عالم بیداری میں ان کی زبان سے اس کا اظہار ہوا ہے، کبھی خلاف شریعت کوئی بات آپ سے سرزد نہیں ہوئی بلکہ اکثر کی شریعت سے تائید ہوتی ہے۔

(۲) بلا تکلف اور بغیر کسی تعصب کے یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ کشف میں حنفی مسلک کی نورانیت ایک عظیم دریا کی طرح اور دیگر مسالک چھوٹی نالیوں اور حوض کی طرح نظر آتے ہیں، اور یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ آج امت مسلمہ کا بہت سے بڑا طبقہ حضرت امام ابوحنیفہؒ ہی کا پیرو ہے۔

(۳) اگر دو افراد کا کشف متفق ہو تو یہ ظن غالب کے حکم میں ہوتا ہے۔

(۴) ''اس فقیر پر یہ بات ظاہر ہو چکی ہے کہ اختلافی مسائل میں اکثر حق فقہ حنفی ہی میں ہوتا ہے''۔ پھر لکھتے ہیں: ''فقہی مسائل کے اختلافات میں عام طور پر حق مسلک حنفی ہی میں ہوتا ہے، بہت کم دوسرے مسالک میں متردد ہوتا ہے۔''

کشف یا منام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ

اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ''فیوض الحرمین'' میں لکھتے ہیں: "عرفنی رسول اللّٰہ ﷺ أن فی المذهب الحنفی طریقة أنیقة هی أوفق الطرق بالسنة المعروفة التی جمعت و نقحت فی زمان البخاری و أصحابه"، یعنی رسول ﷺ نے مجھے بتادیا کہ مذہبِ حنفی میں ایک ایسا (۱) عمدہ راستہ ہے کہ بخاری وغیرہ کے زمانے میں جو سنتِ معروفہ کہ مجتمع ہوئی ہے اس کے ساتھ وہ نہایت ہی موافق ہے''۔

منام علامہ ابوجعفر قایسی

اور دیلمی نے مسند الفردوس میں لکھا ہے کہ ابوالمنظر شاگرد ابوالمظفر قایسی محدث نے بیان کیا کہ میرے استاذ نے خواب میں آں حضرت ﷺ کو دیکھا، اثنائے کلام میں اختلاف ائمہ کا ذکر آیا آپ نے ارشاد فرمایا کہ ہر امام اپنے اجتہاد میں مصیب ہے، تب قایسی نے کہا کہ ابوحنیفہؒ کہتے کہ دو مجتہد جو کسی مسئلے میں مختلف ہوتے ہیں تو دونوں مصیب ہیں اور حق ایک میں ہوتا ہے، اور شافعی کہتے ہیں کہ ان دونوں میں ایک مصیب اور دوسرا مخطی ہے مگر اس پر کچھ گناہ نہیں، تب آپ نے فرمایا کہ دونوں قول قریب المعنی ہیں اگر چہ لفظ مختلف ہیں، تب قایسی نے کہا کہ یا رسول اللہ ان دونوں قولوں میں کون اولی بالأخذ ہے، یعنی کس کے قول پر عمل کرنا چاہیے، آپ نے ارشاد فرمایا: "کلاهما علی الحق"، یعنی دونوں برسرِ حق ہیں۔

اس واقعے سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ہم ایسے لوگوں کو جو ابوجعفر قایسی سے درجۂ علم میں کہیں کم ہیں امام اعظمؒ کی تقلید میں کچھ مضائقہ نہیں، گو ان کا کوئی مسئلہ نفس الامر میں خطا پر ہو مگر چونکہ اجتہادی مسئلہ ہے آپ کے فرمانے کے بموجب حق ہو گیا اور اس پر عمل کرنا جائز ٹھہرا۔

(۱) وہ راستہ غالبًا مجموعۂ اقوالِ مفتیٰ بہا ہے، جن پر حنفیوں کو عمل کرنا چاہیے۔

منام ازہر بن کیسانؒ

اور علامہ ابن حجر مکی شافعی نے ''خیرات الحسان'' میں لکھا ہے:

''قال ازهر بن كيسان رأيت النبى ﷺ وخلفه أبو بكرؓ وعمرؓ فقلت لهما اسأل رسول الله ﷺ عن شئ قالا اسئل ولا ترفع صوتك فسألته عن علم أبى حنيفة لأنى كنت زاهداً فيه فقال هذا علم الفتح من علم الخضر''، یعنی ازہر بن کیسان نے کہا کہ میں نے آں حضرت ﷺ کو خواب میں دیکھا اور آپ کے پیچھے ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کو پایا میں نے ان دونوں سے عرض کی کہ میں آں حضرت ﷺ سے کچھ پوچھنا چاہتا ہوں انہوں نے ارشاد فرمایا کہ پوچھو مگر بآواز بلند نہ پوچھنا، پس میں نے بوجہ تزہد آپ سے علم ابی حنیفہؒ کے باب میں سوال کیا آپ نے ارشاد فرمایا کہ ''یہ وہ علم ہے کہ علم خضرؑ سے مفتوح ہوا ہے''۔

اور اسی ''خیرات الحسان'' میں یہ بھی ہے: ''عن أبى معافى الفضل بن خالد قال رأيت النبى ﷺ فقلت يا رسول الله ما تقول فى علم أبى حنيفة فقال ذلك علم يحتاج الناس إليه''، یعنی فضل بن خالد سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا کہ میں نے آں حضرت ﷺ کو خواب میں دیکھا میں نے پوچھا کہ یا رسول اللہ آپ علم ابی حنیفہؒ کے بارے میں کیا ارشاد فرماتے ہیں آپ نے فرمایا کہ یہ وہ علم ہے کہ جس کے لوگ حاجت مند رہیں گے۔

اور اسی ''خیرات الحسان'' میں یہ بھی ہے کہ مسدد بن عبدالرحمٰن بصری سے مروی ہے کہ طلوع فجر کے کچھ قبل وہ مکہ معظّمہ میں رکن اور مقامِ ابراہیم کے درمیان سوئے تھے، پس آں حضرت ﷺ کو خواب میں دیکھا، آپ سے انہوں نے پوچھا کہ یا رسول اللہ کوفے کے رہنے والے نعمان بن ثابت کے حق میں آپ کیا فرماتے ہیں آیا ان کے علم سے کچھ اخذ کروں، آپ نے ارشاد فرمایا: ''خذ من علمه واعمل بعمله فنعم الرجل هو''، یعنی ان کے علم سے اخذ کرو اور ان کے عمل پر چلو وہ بہت اچھے آدمی ہیں۔

اوراسی ''خیرات الحسان'' میں یہ بھی ہے: ''رای بعض أئمة الحنابلة النبی ﷺ وعلی آله وسلم قال فقلت له یا رسول اللّٰه حدثنی عن المذاهب فقال المذاهب ثلثة فوقع فی نفسی أنه یُخرج مذهب أبی حنیفة لتمسُّکه بالرأی فابتدأ و قال أبو حنیفة والشافعی ثم قال ومالك وأحمد أربعة''، یعنی بعض ائمہ حنبلی المذہب نے آں حضرت کوخواب میں دیکھا، پس مذہب کے بارے میں آپ سے استفسار کیا، آپ نے فرمایا کہ مذاہب تین ہیں، پس میرے جی میں یہ خطرہ گذرا کہ آپ تمسک بالرائے کے سبب سے شاید مذہبِ ابوحنیفہ کوخارج کر دیں گے، اتنے میں آپ نے بیان فرمانا شروع کیا کہ ابوحنیفہ اور شافعی پھر فرمایا مالک تین ہوئے اور احمد حنبل، تین وہ اور ایک یہ کل چار ہوئے۔

اور نواب صدیق حسن خاں مرحوم نے ''تقصار'' میں لکھا ہے: ''معاذری گفت پیغمبر ﷺ را درخواب دیدم گفتم أین أطلبك فرمود، عند علم أبي حنیفة ؛'' یعنی معاذری نے کہا کہ میں نے آں حضرت ﷺ کو خواب میں دیکھا پوچھا میں نے کہ یا رسول اللہ آپ کو کہاں ڈھونڈوں، آپ کہاں ملیں گے، آپ نے ارشاد فرمایا کہ علم ابی حنیفہؒ کے پاس، یعنی ان کے مسلک پر چلوگے تو مجھ کو پاؤ گے۔

دیکھو یہ چند رویائے صالحہ ہیں جن سے مذہب حنفی کی تعریف نکلتی ہے، ان کے علاوہ اور بھی منام ہیں، اب جائے غور اور مقامِ انصاف ہے کہ ایک تو خود آں حضرت ﷺ نے عالمِ رویا میں ایسے کلمات ارشاد فرمائے ہیں جن سے اس مذہب کی خوبیاں اچھی طرح ثابت ہوتی ہیں، دوسرے اس باب میں متعدد خواب ہیں، اور کسی امر کے بارے میں کثرت رویا کے متفق ہوجانے کو خود آں حضرت ﷺ نے صحت کی حجت قرار دی ہے، کیونکہ جب کئی صحابہؓ نے خواب میں لیلۃ القدر کو سبع اواخر میں دیکھا تو آپ نے ارشاد فرمایا: ''أری رؤیاکم قد طواطأت فی السبع الأواخر فمن کان متحریها فلیتحرها في السبع الأواخر'' (1) (متفق علیه) ، اسی حدیث سے علامہ ابن قیم نے بھی ''کتاب

(۱) میں دیکھ رہا ہوں کہ تمہارے خواب اخیر کے سات دنوں کے بارے میں متفق ہیں لہٰذا جس کو اس رات کی تلاش ہو وہ اخیر سات راتوں میں تلاش کرے۔

الروح" میں انتفاع الأموات عن الأحیاء کی نسبت تواطؤ رویا کو دلیل قرار دیا ہے۔

الختصر مخالفین ان دلائل میں شاخیں نکالنے کو تو بہت کچھ نکال سکتے ہیں مگر انصافانہ غور کرنے کے بعد مجموع کشف ومنامات سے بلاشک حقیقت مذہب حنفی کی کما حقہ ثابت ہوتی ہے، اگراب بھی کوئی اس مذہب کو برا بھلا کہے تو بجز "فی قلوبھم مرض" اور کیا کہا جاسکتا ہے، اور اگر یہ کہیے کہ ابن خلکان نے "وفیات الأعیان" میں ابوجعفر محمد بن احمد بن نصر فقیہ شافعی کا ایک خواب نقل کیا ہے جس سے مذہب حنفی کی منقصت ثابت ہوتی ہے تو اس کے جواب باصواب تو کئی ہیں، سرِ دست سب کو نظر انداز کر کے میں یہ کہتا ہوں کہ ابن خلکان نے ان کی نسبت یہ بھی لکھدیا ہے:"وکان قد اختلط فی آخر عمره اختلاطاً عظیماً".(۱)جب آخر عمر میں ان کے حفظ میں فتور آ گیا، اور قبل فتور ان سے اس واقعے کا مروی ہونا ثابت نہیں پس ان کا قول کیونکر قابلِ احتجاج ہوسکتا ہے، اور حق یہ ہے کہ جو مذہب حقیقت میں عمدہ ہے اس پر حسّاد کی آتشِ حسد سے کچھ آنچ نہیں آسکتی، اگر کوئی انصافانہ دیکھے تو بلاشک اس مذہب کے اکثر مسائل مختلفہ میں احتیاط ہی کا درجہ پائے گا، اور یہ تو اظہر من الشّمس ہے کہ اکثر اولیاء اللہ حنفی المذہب گذرے ہیں، اور غیر حنفی علماء بھی اس مذہب کے مداح رہے ہیں، پھر چند سفہاء الاحلام کے برا بھلا کہہ دینے سے کیا ہوتا ہے۔

کوئی لاکھ رخنہ اندازی کرے، ہزار اس کی برائیاں لکھے مگر ان شاء اللہ تعالی یہ مذہبِ حق قیامت تک قائم رہے گا، قطب صمدانی امام شعرانی نے "میزان کبریٰ" (ص:۳۲) میں لکھا ہے:"فکما کان مذهب الإمام أبی حنیفة أول المذاهب المدونة تدویناً فکذلك یکون آخرها انقراضاً وبذلك قال أهل الکشف". یعنی امام ابوحنیفہ کا مذہب جس طرح تدوین کے اعتبار سے اول المذاہب ہے اسی طرح ارباب کشف کا قول ہے کہ انقراض کے اعتبار سے یہ آخر المذاہب ہوگا، یعنی کل مذاہب کے بعد یہ مذہب منقرض ہوگا۔

(۲) اخیر عمر میں ان کا حافظہ بہت خراب اور گڈ مڈ ہوگیا تھا۔

اور امام ربانی حضرت مجدد الفِ ثانیؒ نے اپنے مکتوبات جلد ثانی مکتوب پنجاہ و پنجم میں لکھا ہے کہ:

''حضرت عیسیٰ علی نبینا و علیہ الصلاۃ والسلام بعد از نزول کہ متابعت ایں شریعت خواہد نمود و اتباع سنت آں سرور علیہ و علی آلہ الصلاۃ والسلام خواہد کرد نسخ ایں شریعت مجوز نیست، نزدیک ست کہ علمائے ظواہر مجتہدات اورا (علی نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام) از کمالِ دقت و غموض ماخذ انکار نمایند و مخالف کتاب و سنت دانند، مَثَل روح اللہ مثل امام اعظمؒ کوفی ست کہ ببرکت ورع و تقویٰ و بدولت متابعت سنت درجۂ علیا در اجتہاد و استنباط یافتہ است کہ دیگران درفہم آں عاجز اند و مجتہدات اورا بواسطۂ دقت معانی مخالف کتاب و سنت دانند، و اورا و اصحاب اورا رائے پندارند- كل ذلك لعدم الوصول إلى حقيقة علمه ودرايته وعدم الإطلاع على فهمه وفراسته، امام شافعیؒ گر شمۂ از دقت فقاہت او علیہ الرضوان دریافت کہ گفت الفقهاء كلهم عيال أبي حنيفة، وأیں از جرأتہای قاصر نظران کہ قصور خود را بدیگرے نسبت نمایند

قاصرے گر کند ایں قافلہ را طعن قصور
حاش للہ کہ بر آرم بزبان ایں گلہ را
ہمہ شیران جہاں بستۂ ایں سلسلہ اند
روبہ از حیلہ چہ سان بگسلداں این سلسلہ را

وبواسطۂ ہمیں مناسبت کہ بحضرت روح اللہ دارتو اند بود انچہ خواجہ محمدؒ پارسا در فصولِ ستہ نوشتہ است کہ حضرت عیسی علی نبینا و علیہ الصلاۃ والسلام بعد از نزول بمذہب امام ابی حنیفہؒ عمل خواہد کرد یعنی اجتہاد حضرت روح اللہ موافق اجتہاد امام اعظمؒ خواہد بود، نہ آنکہ تقلید ایں مذہب خواہد کرد علی نبینا و علیہ

الصلوٰۃ والسلام کہ شان اُوعلی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام ازان بلندتر است کہ تقلیدِ علمائے امت فرماید‘‘-(۱)

سبحان اللہ مذہبِ حنفی کا کیا کہنا، برابر غیر حنفی المذہب علماء بھی اس کے مداح رہے اور اکثر اربابِ کشف اس کی خوبیاں کرتے رہے، ونعم ما قیل :

حسبی من الخیرات ما أعددته
یوم القیامة فی رضا الرحمن
دین النبي محمد خیر الوریٰ
ثم اعتقادی مذهب النعمان

(۱) ترجمہ: حضرت عیسیٰ علیہ السلام دنیا میں آ کر جو اس دین کی پیروی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی پیروی کریں گے۔ اسے اسے شریعت کا نسخ نہیں کیا جائے گا، شاید علمائے ظاہر بیں حضرت (عیسیٰ علیہ السلام) کے اجتہادات کو جو باریک بینی اور دقیق النظری پر مبنی ہوں گے ناپسند کریں گے اور کتاب وسنت کے مخالف قرار دیں، حضرت روح اللہ (عیسیٰ علیہ السلام) کی مثال حضرت امام الاعظم کوفی کی ہوگی، جو اپنے ورع وتقویٰ کی برکت سے اور اتباع سنت کی بدولت اجتہاد واستنباط کے اس مقام بلند پر پہنچے کہ دوسرے لوگ آپ کے اجتہادات کے فہم کی بھی صلاحیت نہیں رکھتے۔ اور معانی ومفاہیم کی باریکی کی بنا پر یہ مسائل بادی النظر میں انہیں مخالف کتاب وسنت نظر آتے ہیں، اور یہ حضرات آپ کو اور آپ کے اصحاب وتلامذہ کو اصحاب رائے وقیاس سمجھتے ہیں۔ ساری کمزوریاں ان کی حقیقی علمی عظمت سے عدم واقفیت اور ان کے فہم وفراست کی صحیح اطلاع نہ ہونے کا نتیجہ ہے، امام شافعیؒ کو آپ کی فقاہت وباریک بینی کا کچھ اندازہ ہوا جس کی بنا انہوں نے اپنا مشہور جملہ ”الفقهاء کلهم عیال علی أبي حنیفة (یعنی تمام فقہاء امام ابوحنیفہؒ کے محتاج ہیں) فرمایا کوتاہ بینوں کی جرأت کا اندازہ لگائیے کہ غلطی کی نسبت دوسروں کی طرف کرنے لگتا ہے

قاصرے گر کند ایں قافلہ را طعن قصور
حاش للہ کہ بر آرم بزبان ایں گلہ را
ہمہ شیران جہاں بستۂ ایں سلسلہ اند
روبہ از حیلہ چہ سان بگسلد ان این سلسلہ را

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے تذکرہ کی مناسبت سے یہ بات بھی ذکر کردینا مناسب ہے جو خواجہ محمد بارسا نے فصول ستہ میں لکھا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس دنیا میں آنے کے بعد حضرت امام ابوحنیفہؒ کے مسلک پر عمل کریں گے اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے اجتہادات امام صاحب کے اجتہادات کے مطابق ہوں گے نہ یہ کہ وہ ان کی تقلید کریں گے کیوں کہ ان کی شان اس سے بہت بلند ہے کہ علمائے امت کی تقلید واتباع کریں۔

مناقب امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت کوفیؒ

چونکہ بعض متعصبین نے حنفیوں کا دل دکھانے کو جناب امام ابوحنیفہؒ کے حق میں بہت کچھ کلمات شنیعہ لکھے ہیں اور مطاعن بیجا سے صفحۂ کاغذ کو سیاہ کر ڈالا ہے، لہٰذا کتب اکابر خصوصًا تالیفات علمائے شافعیہ سے انتخاب کر کے میں آپ کے کچھ حالات مع دفع جرح لکھے دیتا ہوں کہ ناظرین باتمکین کو آپ کے حالات وکمالات سے اطلاع ہو جائے اور لوگوں کے آئینۂ قلوب سے غبار شک وشبہ نکل جائے۔

اَعِدْ ذِکْرِ نُعْمَانٍ لَّنَا اِنَّ ذِکْرَہ ‌ ‌ ‌ ‌ هُوَ الْمِسْكُ مَا کَرَّ رْتُه یَتَضَوَّ ع

نعمان آپ کا نام نامی تھا، ابوحنیفہ آپ کی کنیت تھی، امام آپ کا لقب ہے۔ ثابت بن نعمان بن زُوطی بن ماہ مرزبان آپ کے پدر بزرگوار تھے۔ بعضوں نے لکھا ہے کہ زوطی بنی تیم اللہ بن ثعلبہ کے مملوک تھے، بعد اسلام آزاد کر دیئے گئے تھے۔ ثابت حالت اسلام میں پیدا ہوئے اور بعضوں نے مملوکیت سے انکار کیا ہے۔ ان کے آباء واجداد عجم کے رہنے والے تھے۔ ثابت لڑکپن میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوئے تھے، آپ نے ان کے اور ان کی ذریت کے حق میں دعائے برکت فرمائی تھی۔ امام ابوحنیفہؒ شہر ''کوفہ'' میں بقول بعض ۶۱ھ (اکسٹھ) میں اور بقول مشہور ومعتبر ۸۰ھ (اسّی ہجری) میں عبدالملک بن مروان کے عہد میں پیدا ہوئے اس وقت بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم بلاد متفرقہ میں موجود تھے۔ بلکہ بعض صحابہؓ ان کے عالم شباب تک اس عالم فانی میں رونق افروز رہے ہیں جیسے حضرت ابوالطفیلؓ عامر بن واثلہ کہ بقول صحیح

۱۰۱ھ (ایک سودس) میں مکہ معظّمہ میں ان کا انتقال ہوا ہے۔اس وقت جناب امام تیس برس کے تھے، بلکہ عین کوفے میں بھی دو ایک صحابی اس وقت موجود تھے جیسے ''عبداللہ بن ابی اوفی'' کہ آپ حضرت ﷺ کے وصال کے بعد مدینے سے کوفے چلے آئے تھے اور آخر وہیں ۸۷ھ میں یا ایک آدھ سال آگے پیچھے ان کا انتقال ہوا۔اس وقت جناب امام سات برس کے یا کچھ کم وبیش تھے، اور ''عمرو بن حریث'' کہ وہ بھی کوفے چلے آئے تھے اور وہیں گھر بنالیا تھا،اور آخر امارت کوفہ کے وہ والی بھی ہوگئے تھے، ۸۵ھ میں وہیں وفات پائی۔غرض کہ جناب امامؒ عالی مقام کے زمانے میں بہت سے صحابہ کرام زندہ تھے۔بعض تو کوفے ہی میں رہتے تھے اور اکثر بلاد متفرقہ میں رونق بخش تھے۔ابومعشر عبدالکریم شافعی نے جناب امام عالی مقام کی چند حدیثیں ایسی جمع کی ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کو بعض صحابہؓ کو سے سماعِ حدیث کا بھی اتفاق ہوا تھا،مگر ان میں کسر یہ ہے کہ ان کے سلسلۂ رواۃ میں کوئی نہ کوئی راوی مجہول یا متہم بالکذب واقع ہوا ہے جس سے محققین کو روایت میں تو کلام ہے۔

بحث رویت صحابہؓ

رہی رویت صحابہ تو بعضوں نے لکھا ہے کہ چار صحابہ کو بلکہ ان سے بھی کچھ زیادہ اصحاب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو آپ نے دیکھا تھا اور ان کے نام بھی لکھے ہیں مگر اس میں بھی لوگوں کو کلام ہے،اور حق یہ ہے کہ کسی اور صحابی کو دیکھا ہو یا نہ دیکھا ہو مگر حضرت انس بن مالکؓ کو جو جلیل القدر صحابی ہیں آپ نے ضرور دیکھا ہے۔''خطیب بغدادی'' نے تاریخ بغداد میں لکھا ہے ''هو أبو حنيفة التيمى امام اصحاب الرأى وفقيه اهل العراق راىٰ انس بن مالك'' اور ''ابن جوزی'' نے ''علل متناہیہ'' میں لکھا ہے'' وابو حنيفة لم يسمع عن الصحابة إنما رأىٰ أنس بن مالك بعينه'' یعنی ''ابوحنیفہؒ نے صحابہ سے کوئی حدیث نہیں سنی، ہاں انسؓ ابن مالک کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔''

اور ''علامہ مزّی'' نے ''تہذیب الکمال'' میں اور ''یافعی'' نے ''مرآۃ الجنان'' میں اور

''ذہبی'' نے ''کاشف'' اور ''تہذیب'' میں لکھا ہے "رایٰ انسًا "(**امام ابوحنیفہؒ نے حضرت انسؓ کو دیکھا تھا**)۔ **اور علامہ ذہبی نے جو امامِ فن رجال ہیں ''تذکرۃ الحفاظ'' میں لکھا ہے:**

''مولده سنة ثمانين رایٰ انس بن مالك غير مرة لما قدم عليهم الكوفة رواه ابن سعد عن سيف بن جابر انه سمع ابا حنيفة يقوله"۔ **یعنی ''امام ابوحنیفہؒ کی ولادت ۸۰ھ میں واقع ہوئی تھی اور چونکہ انسؓ کوفے میں چلے آئے تھے اس وجہ سے ان کو کئی مرتبہ دیکھا تھا۔ ابن سعد نے سیف بن جابرؓ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے خود امام ابوحنیفہؒ کو یہ کہتے ہوئے سنا تھا''۔ اور ''حافظ ابن حجر عسقلانی'' نے** "تهذيب التهذيب" **میں لکھا ہے:**"النعمان بن ثابت أبو حنيفة الكوفي مولىٰ بني تيم الله وقيل إنه من أبناء فارس رأى أنس بن مالك (۱)۔

اور ''علامہ سیوطی'' نے تبييض الصحيفة **میں لکھا ہے:**

"قد وقفت علىٰ فتيا رفعت الى الشيخ ولى الدين العراقى هل روىٰ ابو حنيفة من الصحابة وهل يعدّ في التابعين فأجاب بما نصه، لم تصح له رواية عن أحد من الصحابة وقد رأىٰ أنس ابن مالك فمن يكتفى بمجرد روية الصحابة يجعله تابعيا ورفع هذا السؤال إلى الحافظ ابن حجر (۲) فاجاب بما نصه، ادرك أبو حنيفة جماعةً من الصحابة لانه ولد

(۱) ابوحنیفہؒ کوفی مولی بنی تیم اللہ تھے اور بعض کے مطابق عجمی ایرانی النسل تھے، حضرت انس بن مالکؓ کو دیکھا تھا۔

(۲) علامہ سیوطی کی اس عبارت سے صاحب اختیار الحق مؤید معیار الحق کی ایک فاحش غلطی ظاہر ہوگئی وہ یہ کہ علامہ طحطاوی نے جو و قال ابن حجر لانه ولد في الكوفة الخ لکھا ہے اس کی نسبت یوں خامہ فرسائی کی ''ابن حجر سے مراد غالبًا ابن حجر مکی ہے نہ عسقلانی'' دوسرے یہ قول قداوردا بن سعد بسند لا باس به طحطاوی کا ہے نہ ابن حجر کا طحطاوی ائمہ جرح وتعدیل سے نہیں کہ ان کے کہنے سے وہ سند لا باس بہ سمجھی جائے انتہی ملخصاً صاحب اختیار الحق کی خطا کی وجہ ظاہر ہے کہ جب علامہ سیوطی جن کا زمانہ ابن حجر مکی اور طحطاوی دونوں سے مقدم ہے وہ حافظ ابن حجر کی طرف منسوب کرتے ہیں تو اس عبارت کا کوئی فقرہ ابن حجر مکی یا طحطاوی کا کیونکر ہوسکتا ہے، افسوس ہے کہ لوگ کچھ تحقیق نہیں کرتے اور عوام کو شبہ میں ڈالنے کے لیے خواہ مخواہ شاخیں نکال دیتے ہیں، جناب امام اعظمؒ کی تابعین کے باب میں صاحب اختیار الحق نے اوٹ پٹانگ باتیں لکھی ہیں جو قابلِ دید ہیں۔

بـالـكـوفة سـنة ثـمانين وبها يومئذ عبد الله بن أبي أوفى فإنه مـات بـعـد ذلك، و بـالبصرة يومئذ أنس، وقد أورد ابن سعد بسـنـد لابـاس بـه أن أبـاحـنيـفة راى أنسا وكان غير هذا من الـصـحابة بعدّةٍ من البلاد احياء، وقد جمع بعضهم جزءً فيما ورد من رواية أبي حنيفة عن الصحابة لكن لايخلو اسناده من ضـعـفٍ، والـمـعتـمـد علىٰ ادراكه ماتقدم وعلى رؤيته لبعض الصحابة ما أورده ابن سعد في الطبقات فهو بهذا الاعتبار من التـابعين"۔ یعنی ایک فتویٰ میری نظر سے گذرا جو علامہ عراقی کے آگے پیش کیا گیا تھا اور جسکا سوال یہ تھا کہ ابوحنیفہؒ نے آیا صحابہ سے روایت کی ہے یا نہیں اور وہ تابعین میں محسوب ہیں یا نہیں۔ اس کا جواب عراقی نے یہ لکھا کہ کسی صحابی سے ان کی روایت حدیث تو صحت کو نہیں پہنچی مگر انسؓ بن مالک کو بیشک دیکھا تھا۔ پس جسکے نزدیک تابعیت کے لیے صرف رویت صحابہؓ کافی ہے وہ ان کو تابعی کہتا ہے۔ اور حافظ ابن حجر سے بھی یہی سوال کیا گیا تھا جسکا جواب انہوں نے یہ لکھا کہ ابوحنیفہ نے ایک جماعت صحابہؓ کا زمانہ پایا ہے، کیونکہ وہ ۸۰ھ میں بمقام کوفہ پیدا ہوئے تھے اور اس زمانے میں عبداللہ بن ابی اوفی (۱) وہاں موجود تھے، کئی برس بعد ان کا انتقال ہوا ہے اور بصرہ میں انسؓ تھے، ابن سعد نے بسند صحیح روایت کی ہے کہ ابوحنیفہؒ نے انسؓ کو دیکھا تھا اور ان دونوں صحابیوں کے علاوہ اور بھی بہت سے صحابہ مختلف شہروں میں زندہ تھے، اور بعضوں نے روایات ابی حنیفہ عن الصحابہ کو بھی جمع کیا ہے لیکن ان روایات کے اسناد ضعف سے خالی نہیں، اور امر معتمد یہ ہے کہ انہوں نے بہت سے صحابہؓ کا زمانہ پایا تھا، اور بعض صحابہؓ کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا، جیسا کہ ابن سعدؒ نے اپنے طبقات میں ذکر کیا ہے، پس اس اعتبار سے وہ تابعین میں سے ہیں''۔

(۱) علامہ ابن اثیر جزری نے جامع الاُصول میں عبداللہ بن ابی اَوفی کے ترجمے میں لکھا ہے کہ لـم يـزل بـالـمدينة حتـى قبـض النبي صلى الله عليه وسلّم ثم تحول إلى الكوفي و هو آخر من مات من الصحابة بالكوفة سنة سبع و ثمانين و قيل سنة ست۔

اور شیخ ابن حجر مکی نے "خیرات الحسان" میں لکھا ہے:

"صحّ کما قاله الذهبی انه رایٔ أنس بن مالك وهو صغیر و فی روایة راه مرارا"۔ یعنی جیسا کہ ذہبی نے لکھا ہے کہ امام ابو حنیفہ نے لڑکپن میں انسؓ بن مالک کو دیکھا تھا، بہت صحیح ہے بلکہ بعض روایات میں کئی دفعہ کا دیکھنا بھی مروی ہے۔

پس ان اقوال معتبرہ سے کما حقہ ثابت ہے کہ جناب امام عالی مقام نے بعض صحابہ کرامؓ کو دیکھا تھا۔ ''معیار الحق'' وغیرہ میں جو رویت صحابہؓ کے باب میں کلام کیا ہے اور ثبوت میں بعض محدثین کا انکار نقل کیا ہے، وہ پایہ تحقیق کے بالکل مخالف ہے کیونکہ مانا کہ بعضوں نے لقاء صحابہ کرام سے انکار کیا ہے مگر جب خطیب و ابن جوزی و مزّی و یافعی و عراقی و ذہبی و ابن حجر و سیوطی وغیرہ ہم جیسے اہل نقل و ائمہ فن کے اقوال سے رویت صحابہ ثابت ہے تو کسی کے انکار سے کیا ہوتا ہے، کیونکہ جس نے لقاء صحابہ سے انکار کیا ہے اسکو رویت کی دلیل نہیں ملی اور جس نے اقرار کیا ہے اس کو لقاء کی دلیل مل گئی۔ اثبات کے آگے نفی کا کیا اعتبار؟ پس ثبوت رویت میں کیا کلام ہے خصوصًا ایسی حالت میں کہ علامۂ ذہبی سا نقاد رجال ''تذکرۃ الحفاظ'' میں دھوم دھام سے رویت صحابہ کو ثابت کریں اور حافظ ابن حجر سا امام فن یہ لکھے کہ ابن سعد نے اپنے طبقات میں بسند صحیح ابوحنیفہ کا انس بن مالک کو دیکھنا ذکر کیا ہے۔ رہا یہ قول کہ حافظ ابن حجر نے ''تقریب'' میں جناب امام کے حق میں لکھ دیا ہے۔ "فقیه مشهور من السادسة"۔ اور چھٹا طبقہ ان لوگوں کا ہے جن کی کسی صحابی سے ملاقات نہیں ہوئی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ السادسة بجائے الخامسة لغزش قلم ہے کیونکہ تقریب کو تہذیب التہذیب کے بعد لکھا ہے اور تہذیب التہذیب میں حافظ ابن حجر رویت انسؓ کے قائل ہو چکے ہیں اور اپنے فتوے میں رویت انسؓ کو دلیل قوی سے مدلل کر دیا ہے اور جس سنہ سے رویت ثابت ہوتی ہے اس کو لا باس به کہہ دیا ہے، پھر کیوں کر تقریب میں وہ عدم لقاء کے قائل ہو سکتے ہیں، لامحالہ لفظ "سادسہ" بجائے "خامسہ" زلۃ القلم ہے۔

المختصر دو ایک نہیں بلکہ بہت سے ائمۂ فن رجال کی تصریحات سے رویت بعض صحابہؓ

کما حقہ ثابت ہے۔ میرا خیال ہے کہ مولف معیار کو اگر علامہ ذہبی کی تذکرۃ الحفاظ اور حافظ ابن حجر کے اس فتوے پر جسکو علامہ سیوطی نے ''تبیض الصحیفہ'' میں نقل کیا ہے نظر ہوتی تو کبھی وہ لقاء صحابہ کے باب میں کچھ کلام نہ کرتے اور اپنے دامن تحقیق پر ہرگز دھبہ لگنے نہ دیتے۔ خیر ان کی طرف سے تو یہ عذر ہوسکتا ہے کہ ان کو ان تصریحات کی خبر نہ تھی، لیکن تعجب تو یہ ہے کہ ہر چند علمائے زمانۂ حال نے اپنی تالیفات میں لقائے صحابہؓ کو کما حقہ ثابت کر دکھایا ہے مگر پھر بھی آج تک بعض سفہاء ''مرغی کی ایک ٹانگ'' لقاء صحابہؓ سے انکار ہی کرتے چلے جاتے ہیں، اس حق پوشی اور ناانصافی کا بھی کوئی جواب ہے۔ مگر چاند پر خاک ڈالنے سے خاک نہیں پڑسکتی۔ بہرکیف بیشک امام اعظمؒ نے اپنی آنکھوں سے بعض صحابہؓ کو دیکھا تھا اور آپ ان کی زیارت باسعادت سے مشرف ہوئے تھے اور بوجہ حدیث ''طوبی لمن رانی او لمن رای من رانی'' (۱) آپ بشارت عظیم کے ضرور مستحق ہیں، اور یہ وہ فضیلت ہے کہ ائمۂ ثلاثہ یعنی امام مالکؒ وشافعیؒ واحمدؒ میں سے کسی کو بھی نصیب نہیں ہوئی۔

بحث تابعیت امام ابوحنیفہ

اور تابعی کی اصطلاح میں اختلاف ہے، بعضوں کے نزدیک صرف رویت صحابہؓ کافی ہے اور بعضوں نے روایت وغیرہ بھی شرط کی ہے ولا مشاحة فی الاصطلاح ۔ چونکہ اکثر محدثین کی اصطلاح کے بموجب صرف رویت صحابہ شرط ہے گو طول مصاحبت و روایت نصیب نہ ہو، چنانچہ علامہ ابن حجر مکی نے ''خیرات الحسان'' میں لکھا ہے: ''وأکثر المحدثین علی أن التابعی من لقی الصحابی و أن لم یصحبه و ابن الصلاح صححه النووی''۔ (۲) پس اکثر محدثین کی اصطلاح کے موافق جناب امام عالی مقام پر تابعی کا اطلاق صحیح ہوا، چنانچہ حافظ عراقی نے جواب سوال میں یہی لکھا ''فمن یکتفی بمجرد رویة الصحابة یجعله تابعیا''۔ (۳)

(۱) ترجمہ: اس شخص کو مژدہ ہو جس نے مجھ کو یا میرے صحابہؓ کو دیکھا ہو۔
(۲) اور اکثر محدثین کی رائے یہ ہے تابعی وہ ہے جو صحابی سے ملا ہو گرچہ صحبت حاصل نہ کی ہو، نووی اور ابن الصلاح نے اسے دوست قرار دیا ہے۔
(۳) جو صرف رویت صحابہ پر کافی قرار دیتا ہے وہ انہیں تابعی مانتا ہے۔

یعنی ''تابعی کی تعریف میں جس نے مجرد رویت صحابہؓ پر اکتفا کی ہے اس کے نزدیک امام ابوحنیفہؒ تابعی ہیں''اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے جوابِ فتویٰ میں یہ تحریر کیا:"فھو بھذ الاعتبار من التابعین"۔ اور علامہ قسطلانی نے شرح صحیح بخاری میں جناب امام کو تابعین میں شمار کیا ہے، چنانچہ باب الصلاۃ فی الثیاب میں ایک جگہ یوں لکھتے ہیں:

"وھذا مذ ھب الجمھور من الصحابة کابن عباس وعلی ومعاویة وانس بن مالك وخالد بن ولید وابی ھریرة وعائشة وام ھانی ومن التابعین الحسن البصری وابن سیرین والشعبی وابن المسیب وعطاء وابو حنیفة ومن الفقھاء ابو یوسف و محمد والشافعی ومالك واحمد"۔

اور شیخ ابن حجر مکی نے خیرات الحسان میں لکھا ہے وحینئذ فھو من اعیان التابعین۔

ابتداء میں جناب امام کو علم کا چنداں شوق نہ تھا، کوفے میں ان کی دکان تھی اس میں خز کی تجارت کیا کرتے تھے۔ ان کی ذکاوت وفہم وفراست دیکھ کر امام شعبی نے تحصیل علم کی رغبت دلائی، ان کی ترغیب نے دل پر کچھ ایسا اثر کیا کہ بازار کو چھوڑ چھاڑ کر تحصیل علم کی طرف متوجہ ہوئے، علم کلام کی اس وقت بہت قدر تھی، خطیب نے اپنی تاریخ میں بروایت زفرؒ لکھا ہے کہ پہلے وہ علم کلام کی طرف مشغول ہوئے اور اس میں ید طولیٰ حاصل کیا، اکثر کوفے سے بصرے چلے آتے اور بعض اوقات وہاں ایک سال سے بھی زیادہ رہ جاتے اور وہاں کے نامی متکلمین سے مناظرہ و مجادلہ کیا کرتے، کچھ دنوں بعد یکا یک صحابہؓ و تابعینؒ کے حالات سن کر علم کلام سے جی ہٹ گیا اور جہاں ''حمادؒ''لوگوں کو درس دیا کرتے تھے اسی کے آس پاس بیٹھا کرتے کہ ایک روز ایک عورت آئی اور اس نے پوچھا کہ ایک مرد چاہتا ہے کہ اپنی بی بی کو طلاقِ سنت دے، اس کی صورت کیا ہے، ان سے کچھ جواب نہ ہوسکا اور فرمایا کہ جاؤ حماد سے پوچھو اور جو کچھ وہ کہیں مجھے بھی اس سے اطلاع دو، وہ عورت حماد کے پاس گئی اور اس نے سوال کیا، حماد جلیل القدر تابعی تھے، مسائل فقہیہ میں مہارت تامہ رکھتے تھے، انہوں نے جواب دیا کہ جب عورت حیض سے پاک ہو تو قبل جماع ایک طلاق

دے، پھر کچھ مباشرت نہ کرے یہاں تک کہ دو حیض گزر جائیں اور غسل کرے۔ پس وہ عورت سنت کے موافق مطلقہ ہو جائے گی پھر جس سے جی چاہے نکاح کر لے۔ وہ عورت جناب امام کے پاس آئی اور بیان کیا۔ وہ سن کے بہت متاسف ہوئے کہ علم کلام نے کچھ کام نہیں دیا، افسوس ہے کہ میں ایک مسئلہ بھی نہ بتا سکا، غرض کہ علم کلام سے متنفر ہو کر حماد کے حلقے میں جا بیٹھے۔ وہ جو کچھ تعلیم کرتے خوب یاد کر لیتے۔ حماد ان کو بہت ماننے لگے اور قدر کی نگاہ سے دیکھنے لگے اور حکم کیا کہ یہ صدر حلقہ میں میرے مقابل بیٹھا کریں، جب دس برس گزر گئے تو یہ حوصلہ ہوا کہ حماد سے الگ ہو کر اپنا حلقہ قائم کیا جائے۔

چنانچہ ایک روز مسجد میں اسی مقصد سے گئے، پھر دل نے حماد سے علاحدہ ہونے کو گوارا نہ کیا اور پھر انہیں کے حلقے میں جا بیٹھے، اسی اثنا میں حماد کو یہ خبر پہونچی کہ بصرے میں میرا فلاں قریب مر گیا ہے اور مال چھوڑ گیا ہے اور میرے سوا اس کا کوئی وارث نہیں۔ وہ جناب امام کو اپنا خلیفہ بنا کے بصرے کو روانہ ہو گئے، خدا کو ان کا کمال منظور تھا، عجب اتفاق ہوا کہ اس اثنا میں ایسے ایسے مسائل پیش ہونے لگے کہ حماد سے کبھی سننے کا اتفاق ہی نہیں ہوا تھا۔ اپنے اجتہاد کے موافق فتوے دینے لگے اور ہر جواب کو لکھتے چلے گئے، دو مہینے کے بعد حماد واپس آئے، ساٹھ مسئلے جمع ہو گئے تھے، ان سب کو استاد کے آگے پیش کیا انہوں نے چالیس میں تو اتفاق کیا اور بیس میں اپنا خلاف ظاہر کیا۔ تب جناب امام عالی مقام نے خیال کیا کہ میں ابھی فقہ میں کامل ہی نہیں ہوا۔ علاحدہ حلقہ قائم کرنے کا جو ارادہ ہے وہ بیجا ہے۔ یہ سوچ کر اپنے ارادے سے باز آئے اور جب تک حماد جیتے رہے برابر حاضر خدمت ہوتے رہے اور ان کے حلقۂ تعلیم سے کبھی باہر نہ ہوئے۔ امام ابو حفص کبیر شاگرد رشید امام محمدؒ کا قول ہے کہ حماد کے علاوہ چار ہزار کے قریب جناب امام کے شیخ تھے جن سے اخذِ علم کیا تھا۔ ''امام عاصم'' جو قرائے سبعہ میں سے ہیں ان سے قراءت کی تعلیم پائی تھی۔

اب جائے غور و مقام انصاف ہے کہ جو شخص حماد جیسے جلیل القدر تابعی کے حلقے میں

برسوں بیٹھا ہوا اور جس کے سیکڑوں استاد ہوں اور ہمہ تن تحصیل دین میں مشغول ہو ان کے علم کا کیا کہنا۔ سونے پر سہاگہ یہ کہ جناب امام عالی مقام کو ایک عرصے تک ''امام جعفر صادقؓ'' کی صحبت بابرکت نصیب رہی ہے۔ اور امام جعفر صادقؓ وہ بزرگ ہیں کہ جمہور اولیاء اللہ کے سلسلے وہاں تک پہنچتے ہیں اور اربابِ تصوف کے کل شعبے انہیں سے نکلے ہیں۔ سبحان اللہ حماد سا استاد اور امام جعفرِ صادق سا شیخ پھر کیا کہنا۔

امام اعظمؒ کے علم باطن اور تصوف اور کشف کا بیان

مختصر یہ کہ جناب امام عالی مقام کو علم ظاہر و باطن دونوں میں کمال تھا۔ اکثر باتوں میں آپ کو کشف صحیح ہوا ہے، چنانچہ حدیث شریف میں جو یہ وارد ہوا ہے ''من توضأ فأحسن الوضوء خرجت خطایاہ من جسدہ حتی تخرج من تحت اظفارہ۔ یعنی جو شخص وضوئے کامل کرتا ہے تو وضو کی برکت سے اس کے سارے گناہ غسالۂ وضو کے ساتھ نکل جاتے ہیں حتیٰ کہ ناخنوں کے نیچے جس قدر دنس (میل) ذنوب ہیں، وہ بھی خارج ہو جاتے ہیں''۔ اس حدیث میں جو غسالے کے ساتھ دنس ذنوب کے خارج ہونے کی خبر ہے تو جناب امامؒ نے کشف سے اکثر غسالۂ وضو کے ساتھ دنس ذنوب کو مجسد گرتے دیکھا ہے۔ چنانچہ میزان کبریٰ میں قطب ربانی ''امام شعرانی'' نے اپنے شیخ ''علی خواصؒ'' کا قول نقل کیا ہے کہ ایک روز امام اعظمؒ جامع کوفہ کے حوض پر وارد ہوئے، ایک جوان کہ اپنے والدین کا نافرمان تھا، وضو کر رہا تھا، اس کے غسالۂ وضو کو دیکھ کر آپ نے فرمایا کہ اے لڑکے ابوین کے عقوق سے توبہ کر، وہ یہ سن کر تائب ہوا۔ پھر ایک شخص کہ مبتلاے زنا ہو گیا تھا وضو کرنے لگا اس کے غسالے کو دیکھ کر آپنے فرمایا کہ اے بھائی زنا سے توبہ کر، وہ سن کر اس سے تائب ہوا۔ پھر ایک دوسرے شخص کے غسالۂ وضو کو دیکھ کر آپ نے فرمایا کہ اے بھائی شراب کے پینے اور ناچ رنگ و گانے سے توبہ کر، وہ سن کر تائب ہوا۔ جب امام اعظمؒ نے اپنے کشف کی یہ کیفیت دیکھی تو آپنے اس خیال سے کہ لوگوں کے معاصی و معائب ظاہر ہو جاتے ہیں، اللہ تعالیٰ سے درخواست کی کہ اس کشف کا حجاب ہو

جائے چنانچہ پھر آپ کولوگوں کے غسالۂ وضو میں دنسِ ذنوب نظر نہ آئے۔اور''خیرات الحسان'' میں علامہ ابن حجر مکی شافعی نے لکھا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ نے اپنے بہت سے اصحاب وتلامذہ کی نسبت بعض امور کی پیشین گوئی کی تھی۔آخر جس طرح کہا تھا ویسا ہی ہوا، چنانچہ امام''داوٗد طائی'' کے حق میں فرمایا تھا کہ تم خلوت گزیں عبادت ہو جاوٗ گے۔آخر ایسا ہی ہوا کہ وہ نہایت ہی عابد و خلوت نشین ہو گئے۔امام ابو یوسف کو کہا کہ تم دنیا میں پھنس جاوٗ گے،آخر وہ قاضی القضاۃ ہو گئے۔منصور کے واقعے میں جس کا ذکر آگے آئے گا آپ نے فرمایا کہ''سفیانؒ'' راستے سے چل دیں گے اور مسعرؒ دیوانے بن جائیں گے اور شریکؒ پھنس جائیں گے''۔آخر جیسا آپ نے کہا تھا ویسا ہی ہوا۔اور''میزان کبریٰ''(ص:۱۱۹) میں شیخ علی خواص کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کان ابو حنیفة و صاحبه من اعظم اهل الکشف ۔یعنی امام اعظمؒ اوران کے شاگرد امام ابو یوسفؒ اعظم ارباب کشف سے تھے۔الغرض جناب امام عالی مقام کے صاحبِ کشف واہل باطن ہونے میں کچھ کلام نہیں۔اب اس نکتے کو بھی سمجھ لو کہ حنفیہ میں جو ہزاروں اولیاء اللہ وارباب کشف گزرے ہیں جنکی ولایت مسلمات سے ہے اس کی وجہ یہی ہے کہ خود امام اعظمؒ اکملِ اولیاء اللہ سے تھے۔ان کے فیوض باطنی نے ان کے مقلدین اولیاء اللہ پر بہت کچھ اپنا اثر ڈالا ہے۔اور یہی وجہ ہے کہ اکثر غیر حنفیہ علماء بھی جن کو تصوف وعلم باطن سے تعلق تھا وہ امام اعظم کے ساتھ خلوص خاص رکھتے تھے۔''امام غزالی''(۱) کو دیکھو کہ''احیاء العلوم'' میں کس قدر اپنا خلوص ظاہر کیا ہے،اور قطب ربانی امام شعرانی کو دیکھئے کہ اپنے مصنفات میں مدارک ومدارج جنابِ امام کے کس طرح مداح ہیں۔ان سب کو جانے دیجیے،خود امام شافعیؒ کو دیکھئے کہ جب بغداد پہونچے ہیں تو بارہا قبر امام عالی مقام پر حاضر ہوکر فیض روحانی سے متمتع ہوئے ہیں۔کما سیاتی ۔حق تو یہ ہے کہ جو شخص امام اعظمؒ سے کچھ بھی بدظن ہے وہ بیشک علم باطن سے بے بہرہ اور دائرۂ عرفان سے باہر ہے۔

آپ بے بہرہ ہیں جو معتقدِ میر نہیں

(۱) رسالہ منخول جو منسوب بہ امام غزالی ہے اس کا ذکر آگے آئے گا فانتظرہ۔

جناب امام عالی مقام بایں کمالات جب تک ان کے استاد حضرت حماد زندہ رہے ان کے حلقۂ تعلیم سے باہر نہ ہوئے، آخر قریب بیس برس کے ان کی صحبت اٹھائی، اسی اثنا میں ایک روز آپ نے خواب میں دیکھا کہ قبرنبوی کھود کر ہڈیاں نکالیں اور اپنے سینے پر رکھیں اور آپ کے بعض اصحاب نے بھی یہی خواب دیکھا اور یہ بھی دیکھا کہ جناب امام قبر مبارک کی مٹی لے کر چاروں طرف پھونک رہے ہیں۔ جناب امام اس خواب سے نہایت مغموم و پریشان ہوئے اور رونے لگے اور غم کے مارے کھانا پینا چھوڑ دیا۔ جب ان کے دوستوں نے نہایت ہی پریشان حال دیکھا تو استفسار کیا۔ آپ نے خواب کا حال بیان کیا۔ ابن سیرینؒ تعبیر رویا میں یدطولیٰ رکھتے تھے اور مشاہیر زمانہ سے تھے، لوگوں نے ان منامات کا حال ان سے بیان کیا، وہ سن کر بولے کہ اس کا صاحب سنت نبویہ واحادیث مصطفویہ کو ظاہر کرے گا اور ان کے مطالب ایسے عمدہ طور پر بیان کرے گا کہ پیشتر کسی کا فہم وہاں تک نہ پہنچا ہوگا۔ اور شرقاً غرباً جہاں جہاں وہ خاک پہنچی ہے دین محمدی کو پھیلا دے گا اور چار دانگ عالم میں اس کا نام روشن ہو جائے گا۔

جناب امامؒ اس تعبیر سے نہایت خوش ہوئے اور حوصلہ بہت بڑھ گیا۔ جب حمادؒ نے ۱۲۰ھ میں انتقال کیا تو ان کے بیٹے جانشین ہوئے اور اپنا حلقہ قائم کیا مگر اس وجہ سے کہ ان کو نحو وعلم کلام میں دخل تھا فقہ میں ممارست نہ تھی، ان سے افتاء کا کام نہ نکل سکا تو ان کی جگہ ''موسیٰؒ بن ابی کیثر'' بیٹھے، مگر ان سے بھی لوگوں کو تسکین نہ ہوئی تو امام اعظمؒ کو تجویز کیا۔ جب یہ جانشین ہوئے تو حلقے کا رنگ جما دیا۔ اپنے فقہ وعلم سے ایک عالم کا دل کھینچ لیا، سیکڑوں ان کے حلقے میں مستفید ہوئے، امام زفرؒ وحسنؒ بن زیاد وابن مبارکؒ وغیرہم آپ کے شاگردوں میں ہیں۔ اور امام ابو یوسفؒ، امام محمدؒ تو آپ کے مشاہیر تلامذہ سے ہیں۔ ان دونوں کی وجہ سے فقہ امام ابوحنیفہؒ نے بہت کچھ رواج پایا۔ امام ابو یوسف جب ایام ہارون رشید میں قاضی القضاۃ ہوئے تو اکثر آپ ہی کے مسلک کے موافق فیصلہ کرنے لگے جس کے سبب سے اقطار عراق اور ماوراء النہر میں آپ کا مذہب پھیل گیا اور آپ کے مذہب کے موافق اصول فقہ کی بھی کتابیں لکھیں۔ اور امام محمدؒ نے تو

بہت سی کتابیں تصنیف کیں حتیٰ کی بعضوں کا قول ہے کہ ایک کم ہزار کتابیں لکھیں، ان میں جناب امام کے مسائل بھرے ہوئے ہیں۔غرض کہ یہ دونوں مشاہیر تلامذہ سے ہیں۔

لطائف حسنہ واجتہادات مستحسنہ

اب میں خیرات الحسان اور فوائد المہمہ وغیرھا سے انتخاب کر کے جناب امام عالی مقام کے بعض لطائف حسنہ واجتہادات مستحسنہ واجوبۂ غریبہ وفتاوائے عجیبہ کی کچھ کیفیت دکھاتا ہوں جس سے انصاف پسند حضرات آپ کے مدارک عالیہ کو دریافت کر سکتے ہیں۔اور سمجھ سکتے ہیں کہ فقہ میں آپ کا پایہ کتنا بلند تھا، اور آپ کا فہم کہاں سے کہاں پہونچتا تھا۔

لطیفہ: (۱) ایک شخص کہ آپ کا مخالف تھا، آپ کے پاس آیا اور کہا کہ ایک مرد ہے کہ اس کو جنت کی کچھ خواہش نہیں، دوزخ سے وہ ڈرتا نہیں اور اللہ تعالیٰ سے کچھ خوف نہیں کرتا اور میتہ کھاتا ہے اور بلا رکوع وسجود صلاۃ ادا کرتا ہے اور بے دیکھے شہادت دیتا ہے اور حق سے بغض رکھتا ہے اور فتنے کو محبوب رکھتا ہے اور رحمت سے بھاگتا ہے اور یہود ونصاریٰ کے قول کی تصدیق کرتا ہے، پس ایسے شخص کے حق میں آپ کیا فرماتے ہیں۔آپ نے حاضرین مجلس سے سوال کیا کہ تم لوگ کیا کہتے ہو۔بعض چپ ہو گئے اور بعض بول اٹھے کہ وہ تو بہت ہی برا شخص ہے یہ تو کافر کی صفت ہے۔آپ ہنسے اور فرمایا کہ وہ بہت اچھا آدمی ہے کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ کی خواہش میں اس کو جنت کی کچھ پرواہ نہیں اور نار سے کچھ نہیں ڈرتا بلکہ رب النار سے ڈرتا ہے، اور اللہ سے اس باب میں خوف نہیں کرتا کہ اللہ اس پر کچھ ظلم کرے گا اور اپنے عدل سے درگزر کرے گا۔اور مچھلیاں کہ میتہ ہیں کھاتا ہے، اور نماز جنازہ یا صلاۃ علی النبی ؐ کہ بلا رکوع وسجود ہے ادا کیا کرتا ہے، اور اللہ تعالیٰ اور آں حضرت ﷺ کو ہر چند دیکھا نہیں مگر اَشْھَدُ اَنْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَ اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ کہا کرتا ہے اور موت سے کہ امر حق ہے بغض رکھتا ہے اور اس کو ناپسند رکھتا ہے تا کہ اللہ تعالیٰ کی خوب عبادت کرے، اور مال واولاد کو کہ فتنہ ہیں محبوب رکھتا ہے، اور مینہ سے کہ رحمت

(۱) یہاں لطیفہ کا مطلب کوئی تفریحی بات نہیں بلکہ قدیم تعبیر کے مطابق باریک نکتہ ہے۔(ط)

ہے بھاگتا ہے،اور یہود کے اس قول کو کہ لَیْسَتِ النَّصَارٰی عَلٰی شَیْءٍ اور نصاریٰ کے اس قول کو کہ لَیْسَتِ الیَھُوْدُ عَلٰی شَیْءٍ تصدیق کرتا ہے۔سائل یہ سن کر پھڑک اٹھا اور کمال تعظیم سے آپ کے سرِ مبارک پر بوسہ دیا۔

لطیفہ: ایک شخص نے اپنی دو بیٹیوں کا نکاح کسی شخص کے دو بیٹوں سے کیا،طعام ولیمہ کی تقریب میں امام ابوحنیفہؒ اور چند علماء تشریف لائے ،ولی پریشان حال باہر آیا اور کہنے لگا کہ میں تو ایک عجب مصیبت میں مبتلا ہو گیا،غلطی سے کچھ ایسا الٹ پھیر ہو گیا کہ اس کی دلہن اسکے تصرف میں اور اس کی منکوحہ اس کے قبضے میں آ گئی،اور ہر ایک کو زفاف تک کی نوبت آ گئی۔امام سفیان ثوریؒ ولیمہ میں شریک تھے بولے کہ کچھ مضائقہ نہیں غلطی سے جس نے جس عورت سے وطی کی ہے وہ اس کو اس کا کل مہر دے دے اور ہر ایک اپنی اپنی منکوحہ کو اپنے تحت میں رکھے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ایسی صورت میں یونہی فیصلہ کیا ہے۔امام ابوحنیفہؒ خاموش تھے،مسعرؒ نے ان سے کہا کہ آپ تو کچھ فرمایئے۔سفیانؒ نے کہا کہ یہ اس کے خلاف کیا کہہ سکتے ہیں۔تب امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ دونوں لڑکوں کو حاضر کرو،جب وہ آئے تو استفسار کیا کہ آیا تم دونوں اس پر راضی ہو کہ جس نے جس عورت سے وطی کی ہے وہی اس کے تحت میں رہے،ان دونوں نے اپنی رضا ظاہر کی۔آپ نے ہر ایک سے اس کی منکوحہ کا نام پوچھا،ان دونوں نے نام بتائے آپ نے فرمایا کہ تم ھِیَ طَالِقٌ مِنِّیْ کہہ کے اپنی اپنی منکوحہ کو طلاق دے دو پھر اپنی اپنی موطوءۃ سے بلا عدت نکاح کر لو۔حاضرین مجلس یہ سن کر نہایت ہی خوش ہو گئے کیونکہ امام سفیان ثوریؒ نے جو کہا تھا وہ بھی ایک صورت تھی،مگر جناب امام نے جو صورت بتائی وہ ظاہر ہے کہ نہایت ہی مستحسن تھی۔

لطیفہ: ایک عورت آئی اور امام اعظمؒ سے اس نے بیان کیا کہ میرا بھائی چھ سو اشرفیاں چھوڑ کر مر گیا، ورثہ میں جب تقسیم کی گئیں تو مجھ کو صرف ایک اشرفی ملی اور لوگوں نے کہا کہ تمہارا یہی ایک حصہ ہوا۔آپ نے پوچھا کہ کس نے تقسیم کی ہے،اس نے داؤد طائی کا نام لیا۔ آپ نے فرمایا کہ کیا تیرا بھائی دو بیٹیاں اور ایک بی بی اور ماں اور بارہ بھائی اور ایک بہن کہ تو ہے

چھوڑ کر نہیں مرا، اس نے ایجاب کیا، آپ نے فرمایا کہ دو بیٹیوں کو دو ثلث چار سو اشرفیاں ہوئیں اور ماں کو سدس ایک سو، اور زوجہ کو ثمن پچھتر، باقی پچیس دینار رہ گئے چوبیس تو بارہ بھائیوں پر منقسم ہوئے، ہر ایک کو دو دو ملے اور ایک تجھ کو ملا۔ اب جناب امامؒ کے سرعت فہم کو خیال کیجئے کہ عورت کے صرف اس بیان پر کل ورثہ میت کو ٹھیک ٹھیک بتا دیا اور اس کا حق جو صرف ایک دینار ہوتا تھا اس کو ثابت کر دیا۔ حالانکہ یہ امر نہایت ہی وشوار تھا۔

لطیفہ: امام ابو یوسفؒ سے مروی ہے کہ ایک مرد امام ابوحنیفہؒ کے پاس آیا اور اس نے بیان کیا کہ میں نے زوجہ سے قسم کھائی ہے کہ جب تک تو مجھ سے کلام نہ کرے گی میں تجھ سے ہرگز نہ بولوں گا، اور اس نے قسم کھائی کہ جب تک تم مجھ سے نہ بولو گے میں ہرگز تم سے کلام نہ کروں گی، اب کیا کروں فرمایئے، مخلص کیا ہے، آپ نے دریافت کیا کہ کسی سے تم نے پوچھا ہے یا نہیں، اس نے کہا کہ ہاں سفیان ثوریؒ سے پوچھ چکا ہوں انہوں نے کہا ہے کہ جو پہلے بولے گا وہ حانث ہوگا۔ آپ نے فرمایا کہ تم جاؤ اور اس سے کلام کرو، تم دونوں میں سے کوئی بھی حانث نہ ہوگا۔ وہ گیا اور امام سفیانؒ کو خبر کی، وہ سن کر خشم آلودہ آئے اور یہ کہا کہ کیا تم یونہی فروج کو مباح کرنا چاہتے ہو، آپنے کہا کیوں، سفیان نے اس مرد کو کہا کہ تم میرے سامنے ان سے پوچھو، اس نے اپنا سوال دوہرایا، آپنے وہی کہا جو پہلے کہہ چکے تھے۔ تب سفیانؒ نے کہا کہ یہ تم کہاں سے کہتے ہو۔ آپ نے فرمایا کہ عورت تو قسم کے ساتھ اپنے شوہر سے کلام کر چکی، مرد کی یمین ساقط ہو چکی۔ اب اگر مرد اس سے پہلے کلام کرے گا تو عورت کی قسم اتر جائیگی۔ امام سفیان ثوری نے انصاف کو دخل دیا اور فرمایا کہ واقعی تم نے وہ بات نکالی کہ جس سے ہم سب محض غافل تھے۔

لطیفہ: ایک شخص نے طلاق کی قسم کھائی کہ میں اپنی بی بی سے رمضان میں دن کو مباشرت کرونگا۔ پھر اس کو یہ فکر ہوئی کہ اگر مباشرت کرتا ہوں تو کفارہ دینا ہوتا ہے اور اگر نہیں کرتا ہوں تو زوجہ مطلقہ ہو جاتی ہے۔ کتنے لوگوں سے پوچھا مگر سب متحیر تھے کہ کیا کیا جائے۔ جناب امامؒ سے پوچھا تو آپنے کیا ہی معقول صورت نکالی، فرمایا کہ تم یہاں سے رمضان میں سفر

کرواور حالت مسافرت میں مقاربت کرو۔قسم بھی اتر جائیگی اور مسافرت کی وجہ سے کفارہ بھی دینا نہ پڑیگا کیونکہ مسافر پر روزہ فرض نہیں۔

لطیفہ: ایک مرد نے ہزار دینار کا تھیلا ایک شخص کے یہاں امانت رکھا اور وصیت کی کہ میرا بیٹا جب بالغ ہو تو اشرفیاں یا تھیلا دونوں میں سے جو چیز تم کو محبوب ہو میرے بیٹے کے حوالے کرنا۔ جب وہ لڑکا بڑا ہوا تو اس نے وصی سے اپنے باپ کا مال طلب کیا، اس نے خالی تھیلا حوالے کیا اور کہا کہ تیرے باپ نے مجھ کو اختیار دیا تھا، رفتہ رفتہ یہ جھگڑا جناب امام عالی مقام تک پہنچا، آپ نے خیال فرمایا کہ میت نے بلا شک اپنے فرزند کے نفع کا ارادہ کیا ہے اور مقصد اصلی اس کا یہی ہے کہ اس کو اشرفیاں ملیں، مگر خیانت کے خیال سے یوں وصیت کر گیا ہے۔ آپ نے وصی سے پوچھا کہ پہلے تم یہ بتاؤ کہ میت نے کس طرح وصیت کی ہے، اس نے بیان کیا پھر آپ نے پوچھا کہ تم اشرفیوں کو محبوب رکھتے ہو یا تھیلے کو اس نے کہا اشرفیوں کو، آپ نے فرمایا کہ بس اشرفیاں اس لڑکے کے حوالے کیجیے، موصی نے شئی محبوب دینے کو تمہیں کہا ہے اور خالی تھیلا لے کر آپ تشریف لے جائیے۔ پھر آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس کے باپ پر رحم فرمائے کہ بہت بڑا چالاک اور دور اندیش مرد تھا۔

لطیفہ: حضرت اعمشؒ سے ان کی بی بی خوش نہیں تھی اور آپس میں یہاں تک رنجش بڑھی کہ اس نے بولنا تک ترک کر دیا اور چاہتی تھی کہ تنگ ہو کر یہ طلاق دے دیں۔ ایک روز غصے میں یہ بول اٹھے کہ آج کی رات اگر تم مجھ سے نہ بولیں تو تم کو تین طلاق ہیں۔ اس کی بن پڑی۔ یہ اس کو بہت چاہتے تھے کسی طرح فرقت گوارا نہ تھی، سوچے کہ یہ تو مجھ سے ناراض ہے کسی طرح رات بھر نہ بولے گی اور صبح کو مطلقہ ہو جائے گی، اب کیا کیا جائے۔ آخر وہ امام ابو حنیفہؒ کے پاس گئے اور واقعہ بیان کیا آپ نے ان کے موذن کو بلا کر تاکید کر دی کہ آج تم مصلحتاً کچھ رات رہے اذان دیدینا، اس نے ویسا ہی کیا، وہ عورت سمجھی کہ فجر کی اذان ہے بس اٹھ کھڑی ہوئی اور بولی کہ اب تو میں مطلقہ ہو گئی، اللہ تعالیٰ نے تجھ سے نجات بخشی اور بہت کچھ سخت وسست کہا۔ اعمشؒ نے

کہا کہ تم کہاں چلیں، طلاق کیسی ابھی تو رات باقی ہے اور تم مجھ سے کلام کر چکیں۔ دیکھا تو واقعی ابھی بہت رات باقی ہے، آخر کچھ دال نہ گلی اور ان کے تحت رہنا پڑا۔

لطیفہ: ایک ذی علم نے ایک روز اپنی بی بی سے کہا کہ آج کی رات اگر تو طلاق چاہے اور میں نہ دوں تو طلاق ہے۔ عورت بولی کہ اگر میں نہ چاہوں تو میرا غلام آزاد ہے پھر دونوں کو فکر ہوئی کہ کوئی حانث نہ ہو مگر کوئی صورت ذہن میں نہ آئی۔ آخر جناب امام کو خبر دی، آپ نے عورت سے کہا کہ تو طلاق کا سوال کر جب اس نے سوال کیا آپ نے مرد سے فرمایا کہ یوں طلاق دے "اَنْتِ طَالِقٌ اِنْ شِئتُ" طلاق کا وقوع بھی ہو جائے گا اور معلق باشرط ہونے سے سر دست عورت مطلقہ ہی نہ ہوگی۔ میاں بی بی دونوں اس تدبیر سے نہایت خوش ہوئے اور برابر آپ کے دعا گو رہے۔

لطیفہ: خلیفۂ وقت نے ایک دفعہ ملک الموت کو خواب میں دیکھا پوچھا کہ میری عمر کتنی باقی ہے ملک الموت نے پانچ انگلیوں سے اشارہ کیا۔ خلیفہ نے اس خواب کی تعبیر دریافت کی، بڑے بڑے عقلا متحیر ہو گئے، آخر جناب امامؒ کو بلا کر پوچھا۔ سبحان اللہ آپ کے ذہن رسا کا کیا کہنا، فوراً ارشاد فرمایا خَمْسٌ لَا یَعْلَمُھُنَّ اِلَّا اللّٰہُ (۱) کی طرف اشارہ ہے۔ یعنی پانچ چیزیں ایسی ہیں جن کو خدا کے سوا کوئی دوسرا نہیں جانتا اور جن کا ذکر اس آیت میں ہے: ﴿اِنَّ اللہَ عِنْدَہٗ عِلْمُ السَّاعَةِ وَیُنَزِّلُ الْغَیْثُ وَیَعْلَمُ مَا فِی الْاَرْحَامِ وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌ مَاذَا تَکْسِبُ غَداً وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌ بِاَیِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ﴾۔ ان پانچ چیزوں میں ایک یہ ہے کہ کوئی نفس نہیں جانتا کہ کل کیا کروں گا، پھر میں کیا بتاؤں کہ تمہاری روح کب قبض کروں گا، غرض کہ ملک الموت نے اپنی لاعلمی ظاہر کی ہے۔ اس تعبیر سے لوگ پھڑک اٹھے اور خلیفہ نہایت ہی خوش ہو گیا۔

لطیفہ: ابن ہبیرہ والی عراق نے جناب امامؒ کو ایک انگوٹھی دکھائی جس پر عطاء بن عبداللہ منقوش تھا اور کہا کہ مجھ کو یہ انگوٹھی نہایت ہی پسند ہے مگر غیر کا نام نقش رہنے سے میں اس کا

(۱) پانچ چیزیں جن کو اللہ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا۔

پہننا پسند نہیں کرتا اور حک ممکن نہیں کیونکہ بالکل خراب ہوجائے گی۔آپ نے دیکھتے ہی فرمایا کہ بن کی با کو مدور کر دو اور عبد کے اوپر ایک نقطہ دے دو، عطاء من عندا للّٰہ (۱) ہوجائے گا۔ابن ہبیرہ نہایت ہی خوش ہوگیا اور آپ کی سرعتِ استخراج پر کمال تعجب کیا۔

یہ دس لطیفے جن پر تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ صادق ہے ''مشتے نمونہ از خروارے وقطرۂ از بحارے''میں نے کتب علماے شافعیہ سے نقل کیے جن سے جناب امام عالی مقام کے مدارکِ عالیہ کا پایہ کچھ دریافت ہوسکتا ہے۔

فقہ امام اعظمؒ

اور ائمۂ فن نے تو آپ کی فقہ مستحسن ورائے احسن کے باب میں بہت کچھ لکھا ہے۔ حافظ ابن حجر نے ''تہذیب التہذیب''میں لکھا ہے: ''قال محمد بن مزاحم سمعت ابن المبارك يقول افقه الناس ابو حنيفة مارايت فى الفقه مثله''۔یعنی محمد بن مزاحم نے کہا کہ میں نے ابن مبارک کو یہ کہتے سنا کہ افقہ الناس ابوحنیفہ ہیں فقہ میں ان کے مثل میں نے کسی کو نہیں دیکھا۔

اور علامہ صفی الدین احمد خزرجی نے خلاصۂ ''تذھیب تہذیب الکمال''(۴۰۲:) میں لکھا ہے:''قال القطان ما سمعنا احسن من رأى أبى حنيفة''۔یعنی ''حافظ یحیٰی بن سعید قطان نے کہا کہ میں نے رائے ابوحنیفہ سے کسی کو اچھا نہیں سنا''۔اور علامہ ابن خلدون نے اپنی تاریخ جلد ثالث میں لکھا ہے: ''قال يحيى بن معين القراة قرأةُ حمزة والفقه فقه أبى حنيفة علىٰ هذا أدركت الناس''۔یعنی ''یحیٰی بن معین نے کہا کہ میرے نزدیک قرأت تو حمزہؒ کی ہے۔اور فقہ ابوحنیفہؒ کی،لوگوں کو بھی میں نے اسی اعتقاد پر پایا''۔اور علامہ ابن حجر مکی شافعیؒ نے خیرات الحسان میں لکھا ہے:''قال وكيع مارأيت أحدا أفقه منه''۔یعنی ''وکیع نے کہا کہ میں نے امام ابوحنیفہؒ سے فقہ میں کسی کو بڑھ کے نہیں دیکھا''۔اور اس میں یہ بھی ہے:''قال أبو عاصم هو والله عندى افقه من ابن جريج مارأت عينى رجلًا اشد اقتدارا على

(۱) یعنی یہ عطا ہے اللہ کی طرف سے۔

الفقه منه"۔ یعنی ''ابو عاصم نے کہا کہ واللہ ابو حنیفہ میرے نزدیک ابن جریج سے بھی زیادہ فقیہ ہیں فقہ میں بلند مرتبہ ان سے میں نے کسی کو نہیں دیکھا''۔ اور اسی میں یہ بھی ہے: "قال شریك القاضی کان ابو حنیفةؒ طویل الصمت کیثرا التفکر د قیق النظر فی الفقه لطیف الاستخراج فی العلم و العمل و البحث"۔ یعنی ''شریک قاضیؒ نے کہا کہ ابو حنیفہؒ بہت چپ رہا کرتے تھے، کیثر التفکر تھے، فقہ میں بہت بڑے دقیق النظر تھے، علم و عمل اور بحث میں لطیف الاستخراج تھے''۔

اور اسی میں یہ بھی ہے: "قال النضر بن شمیل کان الناس نیاما عن الفقه حتی ایقظهم أبو حنیفةؒ"۔ یعنی ''نضر بن شمیل نے کہا کہ لوگ تو فقہ سے سوئے تھے، امام ابو حنیفہؒ نے ان کو جگادیا''۔ اور علامہ عمر بن عبدالوہاب عرضی شافعی نے ''فوائد المہمہ''میں لکھا ہے: "قال ابن ربیع اقمت عند أبی حنیفة خمس سنین فمارأیت أطول صمتا منه فإذا سئل عن شیئی سال کالوادی"۔ یعنی ''ابن ربیع نے کہا کہ میں امام ابو حنیفہؒ کے پاس پانچ برس ٹھہرا، خاموشی میں ان سے بڑھ کے کسی کو نہیں پایا، اور جب وہ کسی شئی سے سوال کیے جاتے تھے تو وادی کی طرح بہنے لگتے تھے''۔

اور خطیب نے تاریخ بغداد میں بروایت حرملہ امام شافعیؒ کا یہ قول نقل کیا ہے: "من أراد أن یتبحر في الفقه فهو عیالٌ علی أبي حنیفة"۔ یعنی ''جو شخص کہ فقہ میں تبحر کا ارادہ رکھتا ہے وہ عیال امام ابو حنیفہؒ ہے''۔ اور خطیب نے تاریخ بغداد میں اور امام شعرانی نے میزان کبریٰ میں امام شافعی کا یہ قول نقل کیا ہے الناس کلهم عیال علی أبي حنیفةؒ۔ یعنی کل لوگ فقہ میں ابو حنیفہؒ کے عیال ہیں۔ اور علامہ عرضی شافعی نے فوائد المہمہ میں لکھا ہے:

> هو أوّل من دون علم الفقه وافرد ه بالتالیف من بین الاحادیث النبویة و بوبه أبوابا فبدأ بالطهارة ثم بالصلاة ثم بسائر العبادات ثم المعاملات إلی أن ختم الکتاب بالمواریث وقفاه فی ذلك مالك بن انس وقفاه ابن جریج

و هشيم و من ثم قال أمامنا الشافعي رضى الله عنه الناس عيال على أبي حنيفة في الفقه" (۱) .

اوراسی فوایدالمہمہ میں امام مزنیؒ شاگردامام شافعیؒ کا یہ قول منقول ہے: "سلم له العلماء ثلث أربعاء العلم وهو لا يسلم لهم ربعه "۔ یعنی علم کے چار حصوں میں تین حصے تو علماء نے خاص امام ابوحنیفہ کے ساتھ مختص کیے ہیں اور ایک حصہ جو باقی رہ گیا وہ علما کے لیے مختص نہیں بلکہ اس میں وہ بھی شریک ہیں''۔

اور امام ربانی مجدد الف ثانیؒ نے اپنے مکتوبات جلد ثانی مکتوب پنجاہ و پنجم (۵۵) میں لکھا ہے''کہ بانی فقہ ابوحنیفہؒ است، و سہ حصہ از فقہ اور مسلّم داشتہ اند و در ربع باقی ہمہ شرکت دارند، در فقہ صاحبِ خانہ اوست و دیگران ہمہ عیالِ وے''۔(۲) ان علمائے کرام وفضلائے عظام کے اقوال سے کما حقہ ثابت ہے کہ جناب امام عالی مقام فقہ میں اعلیٰ درجے کا کمال رکھتے تھے اور اس باب میں ائمۂ دین ان کے عیال ہیں، اور ایک عالم ان کی خرمن کا خوشہ چیں ہے۔ چنانچہ اسی مضمون کو ابوالقاسم غسان بن محمد بن عبداللہ بن سالم نے نظم کیا ہے:

وَضَعَ الْقِيَاسَ اَبُوْ حَنِيْفَةَ كُلَّه ۔۔۔ فَـاَنـىٰ بـاَوُ ضَحِ حُجَّةٍ وَّقِيَاس
وَبَنىٰ عَلَى الْاٰ ثَارِ اُسَّ بِنَآئِه ۔۔۔ فَبَدَتْ غَوَ مِضُهٗ بِخَيْرِ اَسَاس
وَالنَّاسُ يَتَّبِعُوْنَ فِيْهَا قَوْلَهٗ ۔۔۔ لَمَّا اسْتَبَانَ ضِيَاءُ هَا لِلنَّاس
اُفْدِى الْاِمَامَ اَبَا حَنِيْفَةَ ذَاالتُّقَا ۔۔۔ مِنْ عَالِمٍ بِالشَّرْعِ والمِقْيَاس

(۱) وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے علم فقہ کو مدوّن و مرتب کیا اور احادیث سے الگ کر کے اس کو ابواب میں مرتب کیا جس میں طہارت کے باب سے آغاز کر کے نماز اور اس کے بعد تمام عبادات، پھر معاملات کے مسائل درج کیے اور میراث کی بحث پر کتاب مکمل کی، ان کے بعد امام مالک نے یہی کام کیا، پھر ابن جریج اور ہشیم نے اسی طرز پر کتاب لکھی، اسی وجہ سے ہمارے امام شافعی علیہ الرحمہ نے فرمایا ہے کہ لوگ فقہ میں امام ابوحنیفہؒ کے محتاج ہیں۔

(۲) امام ابوحنیفہؒ فقہ کے بانی ہیں اور اس فن میں ان کا تین حصہ تسلیم شدہ، چوتھائی میں دیگر تمام فقہا شریک ہیں، فقہ کے باب میں ان کی حیثیت گھر کے مالک و ذمہ دار کی ہے اور دوسرے گھر کے آل وعیال کی طرح ہیں۔

سَبَقَ الْاَئِمَّۃُ فَالْجَمِیْعُ عِیَالُہ　　فِیْمَا تَحَرَّاہُ بِحُسْنِ قِیَاس

غرض کہ جناب امام عالی مقام کی فقہ کا ایک عالم مدّاح ہے اور بفحوائے حدیث صحیح "مَنْ یُّرِدِ اللّٰہُ بِہٖ خَیْرًا یُّفَقِّھْہُ فِی الدِّیْنِ"۔ یعنی "اللہ تعالیٰ جل شانہ جس کے ساتھ خیر کا ارادہ کرتا ہے اس کو فقہ فی الدین عطا کرتا ہے"۔ آپ کے خیر الناس ہونے میں کچھ کلام نہیں، اور آپ کے قاری ہونے کا ذکر تو اوپر گذر چکا، رہا حافظ قرآن وحدیث ہونا اس کی بحث کچھ آگے چل کر لکھوں گا فَانْتَظِرْہُ۔

بعض مبشرات امام اعظمؒ

صحیح مسلم (ص:۳۱۲) میں ہے:"عن أبی ھریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ لو کان الدین عند الثریا لذھب بہ رجل من فارس او قال من ابناء فارس حتی یتناولہٗ"

یہ حدیث امام بخاری وطبرانی وابونعیم وغیرہ نے بھی باختلاف بعض الفاظ روایت کی ہے۔ اس حدیث کے معنے یہ ہیں کہ ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ دین اگر ثریا کے پاس بھی ہوگا تو فارس کا ایک مرد اس کو پالیگا اور اپنے قبضے میں کر لیگا۔ فارس سے مراد جنس عجم ہے۔ کذا فِی الخیرات الحسان۔

اس حدیث میں جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی مرد عجمی کی نسبت بشارت دی ہے۔ اب دیکھنا چاہیے کہ اسکا مصداق کون ہے۔ بڑے بڑے علمائے دین عجم میں گذرے ہیں اور امام اعظم ابوحنیفہؒ کے آباواجداد بھی عجم کے رہنے والے تھے۔ علی سبیل الیقین تو کوئی کہہ سکتا نہیں کہ اس کا مصداق فلاں ہی شخص ہے۔ مگر کثرت فی العلم کے اعتبار سے علے سبیل الظن اکابر علما نے اس حدیث کا مصداق امام ابوحنیفہؒ کو ٹھہرایا ہے۔ چنانچہ علامہ حافظ جلال الدین سیوطیؒ شافعی جن کا پایۂ فن حدیث میں اربابِ علم پر مخفی نہیں تبییض الصحیفہ میں اس حدیث کی نسبت لکھتے ہیں: "ھذا اصل صحیح یعتمد علیہ فی البشارۃ بأبی حنیفۃ و فی الفضیلۃ التامۃ"۔ یعنی امام ابوحنیفہ کی بشارت اور ان کی فضیلت تامہ کے باب میں یہ حدیث صحیح قابل اعتماد ہے۔

حافظ سیوطی کے شاگرد رشید علامہ حافظ محمد بن یوسف دمشقی شافعی نے ''حاشیۂ شیرا ملسی علی المواہب'' میں لکھا ہے: "وما جزم به شيخنا من ان ابا حنيفة هوا المراد من هذا الحدیث ظاهر لاشك فيه لانه لم يبلغ من ابناء فارس فی العلم مبلغه أحد"۔ یعنی ہمارے شیخ نے جو یہ جزم کیا ہے کہ اس حدیث سے مراد امام ابوحنیفہؒ ہیں وہ ظاہر ہے اس میں کچھ شک نہیں کیونکہ ابنائے فارس میں سے کوئی شخص بھی ان کے مبلغ علم کو نہیں پہنچا۔

اور بعض روایات میں رجلٌ کے بدلے رجالٌ بھی مروی ہے۔ تو تطبیق یوں ہے کہ جناب رسالتمآب ﷺ نے کبھی رجلٌ اور کبھی رجالٌ فرمایا ہے۔ صیغۂ جمع میں اور اکابر علمائے عجم کو بھی داخل کر لیا ہے جس سے وہ بھی مستحق بشارت ہو گئے۔ اور ''علامہ ابن حجر مکی شافعی'' نے ''خیرات الحسان'' میں لکھا ہے وما يصح الاستدلال به على عظم شان ابی حنيفة رضی الله تعالى عنه ماروی انه عليه الصلوة والسلام قال ترفع زينة الدنيا سنة خمسين ومائة۔ یعنی امام ابوحنیفہؒ کی عظمت شان کے استدلالات میں سے ایک استدلال صحیح یہ بھی ہے کہ آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا ہے کہ سن ایک سو پچاس میں دنیا کی زینت اٹھ جائیگی شمس الائمہ کروری نے لکھا ہے هذا الحديث محمول على ابی حنيفة لانه مات تلك السنة یعنی یہ حدیث امام ابوحنیفہ پر محمول ہے کیونکہ اسی سن میں ان کا انتقال ہوا ہے۔

زہد وتقویٰ کا بیان

آپ میں زہد وتقویٰ اس قدر تھا کہ آپ کے شاگرد امام محمد نہایت خوشرو نوجوان تھے جنایت عین کے ڈر سے ان کو ستون وغیرہ کی آڑ میں پڑھایا کرتے تھے۔ ایک دفعہ کوئی مغصوب بکری کوفے کی بکریوں میں مخلوط ہوگئی اس کا پتہ نہ ملا۔ آپ نے خیال فرمایا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہی بکری میرے کھانے میں آجائے تو آئینۂ دل پر اس کا اثر برا پیدا ہو، دریافت فرمایا کہ بکریاں کے برس تک زندہ رہتی ہیں، معلوم ہوا کہ سات برس تک، آپ نے سات برس تک بکری کا گوشت کھانا ترک دیا۔ جو شخص آپ کا مدیون ہوتا اس کی دیوار کے سائے میں آپ ٹھہرنا پسند

نہیں کرتے تھے۔ چنانچہ ایک دفعہ آپ کسی محلے میں نماز جنازہ کے لیے تشریف لے گئے، سخت دھوپ تھی، ایک مکان کی دیوار کے سوا کہیں سایہ نہ تھا۔ اور صاحب دیوار آپ کا مدیون تھا۔ لوگوں نے کہا کہ اس دیوار کے نیچے تھوڑی دیر بیٹھ جائیے۔ آپ نے فرمایا کہ اس دیوار والے پر میرا قرض آتا ہے۔ آنحضرت نے ارشاد فرمایا ہے: "كُلُّ قَرْضٍ جَرَّ مَنْفَعَةٍ فَهُو رِبوٰا" اس دیوار سے کچھ فائدہ لینا مجھ کو جائز نہیں۔

خوف الٰہی کا بیان

خوفِ الٰہی آپ میں اس قدر تھا کہ راتوں کو آپ برابر رویا کرتے تھے حتیٰ کہ آپ کے بکاء پر پڑوس والے ترس کھاتے تھے۔ امام نووی شافعی نے "تهذيب الأسماء واللغات" میں لکھا ہے: "وكان يُسمع بكائه حتىٰ يرحمه جيرانه"۔ یعنی "ان کے بکا کی آواز سن سن کے ان کے ہمسائے رحم کھاتے تھے"۔ اور شیخ ابن حجر نے خیرات الحسان میں لکھا ہے: "وكان آثار البكاء ترىٰ في عينيه وخديه"۔ یعنی جناب امامؒ اس قدر بکاء کرتے تھے کہ آنسوؤں سے آپ کی آنکھیں اور رخسار تر ہو جاتے تھے اور اس کے آثار نظر آتے تھے۔ یزید بن لیث سے مروی ہے کہ کسی امام نے اِذا زلزلت نماز عشا میں پڑھی اور ابوحنیفہ مُقتدی تھے۔ بعد نماز میں نے ان کو دیکھا کہ ان کی سانس چڑھی ہوئی ہے، میں وہاں سے ان کو تنہا چھوڑ کر چلا آیا۔ بعد طلوع فجر جو اس مسجد میں پہنچا تو ان کی وہی کیفیت دیکھی اور وجد میں ان کو یہ کہتے ہوئے سنا: "يا من يجزي بمثقال ذرة خيرٍ خيرًا ويا من يجزي بمثقال ذرةٍ شرٍ شرًّا أجر النعمان من النار وما يقرب منها وادخله في سعة رحمتك"۔ یعنی "اے مثقال ذرہ خیر کی جزا میں خیر کے دینے والے اور مثقال ذرۂ شر کے بدلے شر کے دینے والے نعمان کو نار اور قرب جہنم سے رہا کرا اور اپنی وسعت رحمت میں اس کو داخل کر لے"۔ ایک دفعہ بھولے سے کسی لڑکے کا پاؤں آپ سے کچھ کچل گیا وہ بولا اے شیخ تم روز قیامت کے قصاص سے نہیں ڈرتے۔ جناب امامؒ یہ کلمہ سنتے ہی بیہوش ہو گئے۔

سخاوت کا بیان

اللہ تعالیٰ نے آپ کو تجارت کے سبب سے متمول بنایا تھا۔سخاوت اس درجہ تھی کہ بقدر مناسب رکھ کر باقی مال علماء اور فقراء کے حوائج میں صرف کر دیتے تھے۔ایک دفعہ آپ راستے میں چلے جاتے تھے کسی شخص نے آپ کو دیکھ کر آنکھ بچا کے دوسری راہ اختیار کی۔آپ نے دیکھ لیا اور پکارا، جب وہ آیا تو پوچھا کہ تم نے آنکھ کیوں چرائی، وہ بولا کہ میں نے آپ سے دس ہزار درہم قرض لیے ہیں اتنا زمانہ گذر گیا مگر تہی دستی سے آج تک ادا نہ کر سکا، آپ سے آنکھیں چار کرتے ہوئے شرم آئی لہٰذا آنکھ بچا کر نکل جانا چاہا۔آپ نے فرمایا، سبحان اللہ اسی نے تمہاری یہ حالت بنا دی، جاؤ میں نے کل درہم معاف کر دیئے۔

ایک دن آپ نے اپنی مجلس میں کسی جلیس کو پھٹے کپڑے پہنے ہوئے دیکھا، اس کی پریشان حالی دریافت کر کے آپ نے اس کو بیٹھنے کو کہا۔جب سب لوگ چلے گئے آپ نے فرمایا کہ مصلے کے نیچے جو چیز رکھی ہے تم اٹھا کر لے جاؤ۔اس کے نیچے ہزار درہم کا تھیلا رکھا تھا، وہ لے کر گھر روانہ ہوا۔آپ کے بیٹے حماد نے جب سورۂ فاتحہ ختم کی تو خوشی میں آپ نے معلم کو پانچ سو درہم اور بروایتے ہزار درہم عطا کئے۔آپ نے اپنے اعمال حسنہ تین حصوں پر تقسیم کر دیئے تھے، ایک تہائی اپنے والدین کو اور ایک تہائی اپنے شیخ حماد کو بخش دی تھی اور ایک ثلث اپنے لیے رکھ چھوڑا تھا، اور ہر نماز کے بعد اپنے والدین اور استاد حضرتِ حماد کے لیے دعائے مغفرت مانگا کرتے تھے۔

کثرت عبادت کا بیان

کثیر العبادت اس قدر تھے کہ برسوں عبادت میں رات کو نہ سوئے اور ایک ہی رکعت میں سارا قرآن ختم کر دیا، جس سے آپ کا حافظ قرآن ہونا ثابت ہے۔رمضان مبارک میں ساٹھ ختم کیا کرتے تھے، دن رات طاعت میں مشغول رہا کرتے تھے۔حافظ ابو الحجاج مزی دمشقی نے "تهذيب الكمال" میں لکھا ہے۔ روى عن أبي يوسف بينما أنا أمشي مع أبي

حنيفة إذ سمعت رجلا يقول لرجل هذا أبو حنيفةؒ لاينام الليل فقال أبو حنيفة لايتحدث عنی بما لم أفعل فكان يحی الليل"۔ یعنی ''امام ابو یوسفؒ سے مروی ہے کہ میں ایک روز امام ابوحنیفہؒ کے ساتھ چلا جاتا تھا کہ ایک مرد نے ایک شخص سے کہا کہ یہ ابوحنیفہ ہیں کہ رات بھر نہیں سوتے، پس امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ جو بات میں نہیں کرتا وہ بیان کیوں کی جائے، اس روز سے آپ احیاءِ لیل کرنے لگے''۔

امام نوویؒ نے بھی ''تهذيب الأسماء واللغات" میں یہ عبارت بتغایر بعض الفاظ نقل کی ہے اور آخر میں یوں لکھا ہے: ''فكان يحيى اللَّيل صلوة ودعاء وتضرعًا"۔ یعنی ''جناب امام وہ کلام سن کر اس روز سے نماز و دعا و تضرع میں احیاءِ لیل کرنے لگے''۔ اور علامہ شیخ ابن حجر مکی شافعی نے ''خيرات الحسان" میں لکھا ہے: ''حفظ عنه صلاة الفجر بوضوء العشاء أربعين سنة"۔ یعنی جنابِ امامؒ کا چالیس برس تک عشا کے وضو سے فجر کی نماز پڑھانا ثابت ہو گیا ہے۔ اور اس میں یہ بھی ہے: ''صح عنه أنه كان يختم فی شهر رمضان ستين ختمةً وأنه كان يقرء القرآن كله فی ركعة"۔ یعنی ''یہ بات صحت کو پہنچ گئی ہے کہ امام ابوحنیفہؒ ماہ رمضان میں ساٹھ ختم قرآن پڑھا کرتے تھے اور ایک ہی رکعت میں سارا قرآن ختم کیا کرتے تھے''۔

رفع شبہات مؤلف معیار الحق

اس عبادت پر مؤلفِ معیار الحق نے دو اعتراض کیے ہیں کہ حدیث شریف میں تین روز سے کم میں قرآن ختم کرنا ممتنع آیا ہے جنابِ امام امر بدعت کے کیونکر مرتکب ہو سکتے ہیں۔ ثانیاً اس قدر جلد ختم کرنا عادۃً دشوار ہے۔ ان دونوں شبہوں کا جواب علامہ ابن حجر مکی نے خیرات الحسان میں لکھا ہے کہ یہ اس شخص کے حق میں ہے جو بسہولت ادا نہ کر سکے اور اس کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے زمانہ وسیع نہ ہو جائے، ہر شخص کے لیے ممتنع نہیں۔ بہت سے صحابہؓ اور تابعین نے ایک ہی رکعت میں قرآن کو ختم کر دیا ہے۔ بلکہ بعضوں نے مغرب سے لے کر عشاء تک چار بار قرآن ختم کیا ہے اور یہ باتیں کرامات کی قبیل سے ہیں، ان کی عبارت یہ ہے:

"وختمه القران فی رکعة لا فی خبر أن من قرأه فی اقل من ثلث لم يتفقه لأن محله فی من لم تخرق له العادة فی الحفظ والسهولة واتساع الزمن ومن ثم جاء عن كثير من الصحابةؓ والتابعين انهم كانوا يختمونه فی رکعة بل ختمه بعضهم أربع مراتٍ فيما بين المغرب والعشاء وكل ذلك من باب الكرامة فلا يعارض". (۱)

خلاصہ یہ کہ نہی ہر شخص کے حق میں وارد نہیں، اوراس قدر جلد ختم کرنا کرامات کے قبیل سے ہے۔ بطلانِ کرامات پر ''معیارالحق'' میں یہ تقریر کی گئی ہے کہ کرامات تو امر اتفاقی ہے کہ خارق عادت کی ہوتی ہے نہ مدامی اور عادی اس کا جواب مولانا ارشاد حسین رامپوری نے ''انتصارالحق'' میں یہ دیا ہے کہ کرامت اس خلافِ عادت امر کو کہتے ہیں جو کسی مسلمان غیر نبی سے ظاہر ہو، اتفاقاً ہو یا بطور مداومت، اتفاقی ہونے کی قید جو مؤلفِ معیار نے کی ہے وہ اصطلاح جدید ہے۔

میں کہتا ہوں کہ فی الواقع بات وہی ہے جو مؤلف انتصار نے لکھی ہے۔ میں ایک ایسی حدیث صحیح پیش کرتا ہوں کہ مؤلف معیار کا شبہ بالکل مرتفع ہو جاتا ہے، دیکھو بخاری شریف کی کتاب الانبیاء میں یہ حدیث ہے:

"عن أبی هريرة قال قال النبی ﷺ خُفف علىٰ داؤد القرآن (۲) فكان يأمر بدوابه فتسرج فيقرأالقران قبل أن تُسرج یعنی ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے

(۱) اور آپ کا قرآن پاک ایک رکعت میں ختم کرنا اس حدیث کے منافی نہیں جس میں آیا ہے کہ جس نے قرآن پاک تین دن سے کم میں ختم کیا اس نے اس کو سمجھ کر نہیں پڑھا، کیوں کہ یہ ان لوگوں کے لیے ہے جو عام معمول کے مطابق یادداشت روانی اور وقت کی وسعت سے بہت زیادہ بہرور نہ ہوں، البتہ بطور کرامت جن لوگوں کو یہ نعمتیں حاصل ہیں یہ حکم ان کے لیے نہیں، اسی بنا پر بعض صحابہ اور ابعین کے بارے میں منقول ہے کہ انہوں نے ایک رکعت میں قرآن پاک ختم کر لیا حتی کہ بعض کے مغرب وعشاء کے درمیان چار بار ختم قرآن کی روایت بھی ملتی ہے جس کا تعلق کرامت سے ہے اس لیے حدیث کے معارض نہیں۔

(۲) أوالمقروء و هو الزبور، مرقاة۔

ارشاد فرمایا کہ داؤد علیہ السلام پر زبور اس قدر آسان کر دی گئی تھی کہ ادھر گھوڑوں پر زین کسنے کا حکم دیتے اور ادھر پڑھنا شروع کر دیتے، قبل اس کے کہ گھوڑے کسے جائیں وہ زبور ختم کر دیتے تھے''۔

دیکھو جب اتنی قلیل مدت میں زبور جیسی کتاب ختم ہو جاتی تھی تو اگر جناب امام عالی مقام نے ایک رات میں دو تین ختم کیے تو مستبعد کیا ہے۔ اعجاز و کرامت میں صرف نبوت کا فرق ہے۔ اس حدیث سے اتفاقی ہونے کی قید کا بطلان اظہر من الشّمس ہے، کیونکہ حدیث صاف بتا رہی ہے کہ حضرت داؤد کی یہ عادت ہو گئی تھی کہ اتنی قلیل مدت میں وہ زبور ختم کر دیا کرتے تھے۔ اس حدیث کے تحت میں علامہ قسطلانی نے ''ارشاد الساری'' شرح صحیح بخاری (۱) میں لکھا ہے:

"وقد دل الحديث علىٰ ان الله تعالىٰ يطوى الزمان لمن شاء من عباده كما يطوى المكان لهم، قال النووى ان بعضهم كان يقرأ اربع ختمات بالليل وأربعاً بالنهار ولقد رأيت ابا الطاهر بالقدسِ الشريف سنة سبع وستين وثمان مائة وسمعت عنه اذ ذاك انه كان يقرأ فيها اكثر من عشر ختمات بل قال لى شيخ الا سلام البر هان بن ابى شريف ادام الله النفع بعلومه عنه انه كان يقرأ خمس عشرة فى اليوم والليلة وهذا باب لا سبيل الىٰ ادراكه الا بالفيض الربانى۔

یعنی بخاری کی یہ حدیث اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس کے لیے چاہتا ہے زمانے کو پیچیدہ کر دیتا ہے جیسا کہ بعضوں کے لیے زمین کو لپیٹ دیتا ہے، اور نوووی نے کہا ہے کہ بعض لوگوں نے چار ختم دن کو اور چار ختم رات کو کیے ہیں۔ اور شیخ ابوطاہر سے ۸۶۷ھ میں بمقام قدس جو ملاقات ہوئی تو ان سے یہ سنا کہ وہ دس ختم سے بھی زیادہ کیا کرتے تھے۔ بلکہ شیخ الاسلام برہان نے مجھ سے یہ بیان کیا کہ وہ رات دن میں پندرہ ختم کیا کرتے تھے۔ اور یہ بات یعنی قلیل مدت میں اس قدر ختم کرنا ایک ایسی

(۱) ص: ۴۷۰ جلد خامس مطبوعہ مصر۔

چیز ہے کہ جب تک فیض ربانی نہ ہوانسان کی سمجھ میں آنہیں سکتی''۔

اور مام بیہقی نے ''معرفۃ السنن والآثار''(۱) میں روایت کی ہے:

"أخبرنا أبو عبدالله بن فنجويه الدينوري قال حدثنا محمد خلف بن حيان قال حدثنا محمد بن محمد بن زياد النيسابوري أحمد بن عبد الله بن سيف قالا سمعنا الربيع بن سليمان يقول كان للشافعي في كل شهر ستون ختمة و في شهر رمضان ستون ختمة سوىٰ ما يقرأ في الصلوٰة" یعنی ربیع کا قول ہے امام شافعی ہر مہینہ ساٹھ ختم کیا کرتے تھے اور رمضان میں نماز کے اندر جو کچھ پڑھتے تھے اس کے علاوہ ساٹھ ختم کرتے تھے۔

الحاصل حدیث مذکور یعنی ختم زبور اور نقول صحیحہ سے کما حقہ ثابت ہے کہ مؤلف معیار الحق نے جو جناب امام اعظمؒ کے ختم قرآن پر جو شبہ کیا ہے وہ صحیح نہیں ہے۔ اور خیرات الحسان میں لکھا ہے:"قال الفضل بن دكين رايت جماعة من التابعين وغيرهم فما رايت احسن صلوٰة من أبیؒ حنيفة"۔ یعنی ''فضل بن دکین نے کہا ہے کہ میں نے بہت سے تابعین وغیرہم کو دیکھا مگر امام ابوحنیفہؒ سے بڑھ کے اچھی طرح نماز ادا کرتے ہوئے کسی کو نہ پایا''۔

الغرض جناب امام عالی مقام زہد وتقویٰ وعبادت وغیرہ میں نہایت ہی ثابت قدم تھے، اور اس باب میں اکابر علماء آپ کے مداح ہیں۔ محدث کبیر علامہ ابن اثیر جزری نے "جامع الأصول فی أحاديث الرسول" میں بعد مناقب کثیرہ لکھا ہے: "ولو ذهبنا الیٰ شرح مناقبه وفضائله لاطلنا الخطب ولم نصل الى الغرض منها فانه كان عالما عاملا زاهدا عابدا ورعا، تقيا اماما فی علوم الشريعة مرضيا ۔ یعنی اگر ہم امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مناقب

(۱) یہ کتاب جو ہندوستان کی عرب میں بھی کامیاب ہے جس کے دیکھنے کو لوگوں کی آنکھیں ترستی ہیں مؤلف کے کتب خانے میں موجود ہے فالحمد للہ علی ذٰلک امام بیہقی نے اس میں واحادیث وآثار نقل کیے ہیں جو مذہب امام شافعی کے مؤید میں جابجا مباحث لطیفہ وابحاث شریفہ لکھتے ہیں چونکہ اکثر جگہ امام طحاوی پر تعقبات کیے ہیں علامہ علاء الدین ترکمانی نے اس کتاب کا قابل دید جواب لکھا ہے جس کا نام الجوهر النقی فی الرد علی البيهقی رکھا ہے۔

وفضائل کی شرح کرنے لگیں تو ایک دفتر ہو جائے اور غرض تمام بھی نہ ہو کیونکہ وہ عالم تھے عامل تھے زاہد تھے عابد تھے پرہیز گار متقی تھے علوم شریعت کے امام برگزیدہ تھے''۔

اور صاحب ''مشکاۃ المصابیح'' علامہ ابوعبد اللہ ولی الدین محمد بن عبد اللہ شافعی نے "الإکمال فی أسماء الرجال" میں یہی عبارت بعینہ لکھی ہے، اور اس کے بعد یہ بھی لکھا ہے "والغرض بایراد ذکره فی هذا الکتاب وإن لم یرد عنه حدیث فی المشکاة للتبرك به لعلو مرتبته و وفور علمه" . یعنی ''اگرچہ مشکوۃ میں کوئی ایسی حدیث نہیں جو امام ابوحنیفہؒ سے مروی ہو مگر اس کتاب میں ان کے ذکر کرنے سے غرض یہ ہے کہ چونکہ مرتبہ ان کا بلند اور علم ان کا وافر تھا، ان کا ذکر خیر کر کے میں برکت حاصل کروں''۔ اور ابن خلکان نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے: "کان عالمًا عاملاً زاهدا عابدا ورعا تقیا کثیرا الخشوع دائم التضرع إلی الله''۔ یعنی ''وہ عالم وہ حامل پرہیز گار کثیر الخشوع تھے، ہمیشہ اللہ کی درگاہ میں تضرع کیا کرتے تھے''۔ اور علامہ ذہبی نے "تذهیب التهذیب" میں لکھا ہے: "قال سلیمان بن الربیع ثنا حبان بن موسیٰ سمعت ابن المبارك یقول جالست الکوفیین فما رأیت منهم أورع من أبی حنیفةؒ، وقال حامد بن ادم سمعت ابن المبارك یقول مارأیت أحدا أورع من أبی حنیفةؒ"۔ یعنی ''سلیمان بن ربیع نے حبان بن موسی سے روایت کی ہے کہ میں نے عبد اللہ بن مبارک کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں نے بہت کوفیوں کی صحبت اٹھائی مگر کسی کو ابوحنیفہؒ سے بڑھ کر پرہیز گار نہ پایا۔ اور حامد بن آدم نے کہا کہ میں نے ابن مبارک کو یہ کہتے سنا کہ ابوحنیفہؒ سے بڑھ کے میں نے کسی کو صاحب ورع نہ دیکھا''۔ اور اسی ''تذہیب'' میں کچھ آگے چل کے ''علامہ ذہبی'' نے یہ بھی لکھا ہے: "قال محمد بن عبدالملك الدقیقی سمعت یزید بن هرُوُن یقول أدرکت الناس فما رأیت أحدا اعقل ولا أفضل ولا أورع من أبی حنیفة"۔ یعنی ''محمد بن عبد الملک نے کہا کہ میں نے یزید بن ہارون کو یہ کہتے سنا کہ میں نے بہت سے لوگوں کو دیکھا مگر کسی کو عقل و فضل و ورع میں ابوحنیفہؒ سے بڑھ کے نہ پایا''۔ اور ''تہذیب التہذیب'' میں

"شیخ الاسلام" حافظ ابن حجر عسقلانی نے" لکھا ہے:"و منا قب الإمام أبی حنیفة کثیرة جدًا"،
اور علامہ ابن حجر مکی نے" خیرات الحسان" میں لکھا ہے:

" قال الحافظ محمد ابن میمون لم یکن فی زمن أبی حنیفة أعلم و لا أورع و لا أزهد و لا أعرف و لا أفقه منه و بالله ماتسر بی بسماعی منه مائة ألف دینار۔ یعنی حافظ محمد بن میمون نے جو بہت بڑے محدث تھے یہ کہا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کے زمانے میں علم وورع وزہد ومعرفت وفقہ میں کوئی ان سے بڑھ کے نہ تھا، اور واللہ لاکھ اشرفیاں بھی ان کی باتوں کے سماع کے آگے مجھ کو بھلی نہیں معلوم ہوتیں"۔

اور اسی خیرات الحسان میں ہے: "وقال احمدؒ بن حنبل فی حقه انه من العلم والورع والزهد وایثار الدار الآخرة بمحل لا ید رکه أحد"۔ یعنی" امام احمد حنبلؒ نے امام ابوحنیفہؒ کے حق میں یہ کہا ہے کہ علم وورع وزہد وایثار آخرت کے سبب سے وہ ایسے مرتبہ علیا پر ہیں کہ کوئی دریافت نہیں کرسکتا"۔ اور علامہ ذہبی نے عبداللہ بن مبارک کے یہ چند اشعار جو امام اعظمؒ کی مدح میں ہیں" تذهیب التهذیب "میں نقل کیے ہیں:

رَاَیت اَبا حَنِیفَةَ کُلِّ یَوم — یَزِیدُ نَبَاهَةً وَّ یَزِیدُ خَیرَا
وَیَنطِقُ بالصَّوَابِ وَیَصطَفِیه — اِذَا مَا قَالَ اَهلَ الجُوبِ جَوُرا
یُقَائِسُ مَنْ یُّقَا یِسُهُ بِلُبٍّ — فَمَنْ ذَایَجعَلُوْنَ لَهُ نَظِیرَا
کَفَا نَا فِقهَ حَمَّادٍ وَّ کَانَت — مُصِیبَتُنَا بِهِ اَمرًا کَبِیرَا
فَرَدَّ شَمَاتَةَ الاَعدَاءِ عَنَّا — وَاَبدَیٰ أبَعدَهٗ عِلمًا کَثِیرَا
رَاَیتُ اَبَا حَنِیفَةَ حِینَ یُؤتیٰ — وَیُطلَبُ عِلمَهٗ بَحرًا غَزِیرَا
اِذا مَا المُشکِلَاتَ تَدَ افَعَتهَا — رِجَالَ العِلمِ کَانَ بِهَا بَصِیرَا

الغرض کتنے ائمۂ دین نے آپ کی مدح و ثنا کی ہے، اور کتنے لوگوں نے متفرق تصانیف میں آپ کے مدائح لکھے ہیں بلکہ بہت سے اکابر علما و اعاظم فضلاء نے آپ کے مناقب

میں مستقل رسالے تالیف کیے ہیں۔ چنانچہ امام ابوجعفر طحاوی نے پہلے "عقود المرجان" لکھا پھر اس کا خلاصہ کیا اور "قلائد عقود الدر والعقیان فی مناقب النعمان" نام رکھا۔ اور علامہ محی الدین عبدالقادر بن ابوالوفا قرشی نے "البستان فی مناقب النعمان" اور علامہ جاراللہ زمخشری نے "شقائق النعمان" اور علامہ عبداللہ بن محمد حارثی نے "کشف الآ ثار" اور علامہ یوسف سبط ابن جوزی نے "الانتصار لامام ائمة الامصار" اور علامہ حافظ جلال الدین سیوطی نے "تبییض الصحیفه فی مناقب الامام ابی حنیفہؒ" اور علامہ ابن کاس نے "تحفة السلطان فی مناقب النعمان" اور علامہ محمد بن یوسف دمشقی نے "عقود الجمان فی مناقب النعمان"۔ اور امام ابوجعفر احمد بن عبداللہ شیزاماری نے "ابانه" اور علامہ یوسف بن عبد الہادی حنبلی نے "تنویر الصیحیفه بمناقبِ ابی حنیفه" اور شیخ احمد بن حجر مکی شافعی نے پہلے "قلائد العقیان" پھر "الخیرات الحسان فی مناقب الامام ابی حنیفه النعمان" اور علامہ عمر بن عبدالوہاب عرضی شافعی نے "الفوائد المهمه فی مناقب سراج الأمة" تالیف کیا۔ ان کے علاوہ اور بھی بہت سے علما نے جناب امام کے حالات میں مستقل رسالے لکھے ہیں اور آپ کے اوصافِ جمیلہ کو ذکر کیا ہے۔ اور ہمیشہ ایک عالم آپ کا مداح رہا ہے۔

مخالفین کی افترا پردازیاں

مگر قاعدے کی بات ہے کہ جس کے لوگ معتقد ہوتے ہیں اور اس کی قدر و منزلت کرتے ہیں تو خواہ مخواہ کچھ لوگ حاسد بھی ہو جاتے ہیں۔ سلفاً وخلفاً بغض وحسد سے جنابِ امام عالی مقام پر عجب عجب افترا پردازیاں ہوئی ہیں، کتنی جھوٹی باتیں آپ کی جانب منسوب کی گئی ہیں کتنے رسائل آپ کے مطاعن میں ایسے تالیف ہوئے ہیں کہ لکھنے والے نے اپنے نام کے عوض کسی مشہور عالم کا نام ڈال دیا ہے کہ لوگوں میں رواج پائے اور حسنِ اعتبار پیدا کرے، ایک شخص ''محمد بن جعفر خزاعی'' نام نے ایک رسالہ قرأت شاذہ میں تالیف کیا اور ان قراءتوں کو جناب امام کی طرف منسوب کیا جس سے بعض مفسرین کو دھوکا ہو گیا کہ جناب امام کی طرف وہی قراءت

شاذہ منسوب کر دیں۔ اس کتاب کی نسبت علامہ ابن حجر مکی نے خیرات الحسان میں لکھا ہے:
"وقد صرح جماعة منهم الدار قطني بأن هذا الكتاب موضوعَ لا أصل له وأبو حنيفة بريء منه"۔ یعنی "ایک جماعت نے جس میں دار قطنی بھی ہیں یہ تصریح کر دی ہے کہ وہ کتاب موضوع ہے اس کی کچھ اصل نہیں اور امام ابوحنیفہؒ اس سے بالکل بری ہیں"۔ اسی طرح کسی ناعاقبت اندیش نے جناب امام کے رد اور تکفیر میں ایک رسالہ لکھا اور اس کو "علامہ مجدالدین فیروزآبادی" صاحب "قاموس" کی طرف منسوب کر کے مشہور کیا۔ جب علامہ ابوبکر بن خیاط یمنی کی نظر سے وہ رسالہ گذرا تو انہوں نے نہایت ملامت کے ساتھ علامہ فیروزآبادی کو کہلا بھیجا کہ تم نے یہ کیا لکھا ہے۔ صاحب قاموس کو جب خبر پہنچی تو انہوں نے اس رسالے سے بالکل انکار کیا اور لکھ بھیجا کہ اس کو جلا دیجیے، یہ میرے اعداء کا افترا ہے، میں تو امام اعظمؒ کے اعظم معتقدین سے ہوں اور میں نے ایک کتاب مجلد ان کے مناقب میں لکھ ڈالی ہے۔

علامہ "شعرانی" نے اس واقعے کو "اليواقيت والجواهر" میں یوں لکھا ہے:

"دسوا علىٰ شيخ الاسلام مجد الدين الفيرو زآبادى كتابا فى الرد على ابى حنيفة وتكفيره و دفعوه الى أبى بكر بن الخياط اليمنى فارسل يلوم مجدد الدين فكتب إليه إن كان بلغك لهٰذا الكتاب فأحرقه فإنه افتراء عَلَيّ من الأعداء وأنا من أعظم المعتقدين فى أبى حنيفة وذكرت مناقبه فى مجلد". (۱)

اسی طرح جناب امام عالی مقام کی طعن و تشنیع میں ایک کتاب "منحول" نام امام ابو حامد حجۃ الاسلام "محمد غزالیؒ" کی طرف منسوب ہے جس کا جواب شمس الأئمہ کردری نے لکھا ہے۔

---

(۱) امام ابوحنیفہؒ کے رد اور ان کی تکفیر میں شیخ الاسلام مجدالدین فیروزآبادی کی طرف ایک کتاب منسوب کرنے کی سازش کی گئی اور لکھا شیخ ابوبکر بن خیاط یمنی کو دیا گیا انہوں نے فیروزآبادی کو یہ رسالہ بھیجا اور ان کو بہت کچھ سخت سست لکھا، انہوں نے جواب میں لکھا کہ اگر یہ رسالہ تمہیں ملے تو اس کو جلا دینا یہ میرے دشمنوں کی طرف سے میرے اوپر تہمت ہے، میں تو امام ابوحنیفہؒ کا بہت معتقد ہوں اور ان کے مناقب میں ایک رسالہ مستقل لکھا ہے۔

چونکہ وہ کتاب امام غزالی کی طرف منسوب ہے لہٰذا آج کل کے بعض متعصب غیر مقلد اس کو دستاویز بنائے ہوئے ہیں۔

اب جائے غور ہے کہ امام غزالی نے "احیاء العلوم" میں جناب امام اعظمؒ کی بہت کچھ مدح وثناء لکھی ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

"وأما أبو حنيفة رحمة اللّٰه عليه فلقد كان ايضًا عابدًا زاهداًعارفًا باللّٰه خائفاً منه مريدًا وجهَ اللّٰه بعلمه الخ".

جس شخص کا خیال ایسا ہو "منحول" ایسی کتاب کیا تالیف کرسکتا ہے۔ بعضوں نے لکھا ہے کہ کسی بیہودہ شخص نے تالیف کر کے رواج دینے کو امام غزالی کی طرف منسوب کر دی ہے۔ اور بعضوں نے لکھا ہے کہ اگر بالفرض غزالی ہی کی تسلیم کی جائے تو وہ ابتدا میں جدَلی تھے وہ کتاب اسی زمانے کی ہوگی۔ اور بعضوں نے لکھا ہے کہ اس کا مؤلف "محمود غزالی" ہے نہ امام حجۃ الاسلام محمد غزالی، لفظ غزالی نے لوگوں کو دھوکے میں ڈال دیا اور محمود ومحمد کا فرق خیال سے جاتا رہا۔ علامہ "ابن حجر مکی شافعی" نے خیرات الحسان میں اس "منحول" کی نسبت لکھا ہے:

"وليس هولما ياتى من إحيائه من مدح أبى حنيفة رضى اللّٰه عنه ورحمه بما يليق بعلو كماله وأيضا لأن النسخة التى رأيتها مكتوب عليها ان هذا الكتاب تصنيف محمود وهذا ليس هو حجة الإسلام، و من ثم كتب علىٰ حاشية تلك النسخة هذا شخص معتزلى اسمه محمود الغزالى وليس هو حجة الإسلام". یعنی "اس کتاب کے مؤلف حقیقت میں امام غزالی نہیں کیونکہ احیاء العلوم میں امام ابوحنیفہؒ کے علو کمال کے موافق انہوں نے ان کی مدح لکھی ہے اور اس وجہ سے بھی کہ جو نسخہ میری نظر سے گذرا اس پر یہ لکھا پایا کہ یہ کتاب محمود کی تصنیف سے ہے اور وہ حجۃ الاسلام نہیں۔ اور حاشیہ پر اس نسخے کے یہ لکھا تھا کہ یہ شخص معتزلی ہے اور اس کا نام محمود غزالی ہے اور یہ حجۃ الاسلام نہیں، یعنی وہ غزالی نہیں جن کا نام محمد اور لقب حجۃ

الاسلام اور جن کی تصنیف احیاء العلوم ہے''۔

حضرات ناظرین بعض مسائل کی کیفیت تو دیکھ چکے اب یہ بات بگوش ہوش سننے کے قابل ہے اور اچھی طرح یاد رکھنے کے لائق ہے کہ اگلے لوگوں میں سے بعضے ایسے بھی گزرے ہیں جن کا نام ''نعمان'' یا کنیت ''اُبوحنیفہؒ'' تھی، بلکہ ایک عالم ایسا گزرا ہے جو ''ابوحنیفہ نعمان'' کہلاتا تھا، پہلے وہ سنّی تھا پھر شیعہ ہوگیا۔ تاریخ ''ابن خلکان'' میں جناب امام عالی مقام کے ترجمے کے بعد اس کا ترجمہ بھی کچھ بسط کے ساتھ موجود ہے۔ غرض کہ اس اشتراک لفظی نے یہ شگوفہ کھلایا کہ ان لوگوں کے بھی بعض عیوب غلطی سے ناحق جناب امام کی طرف منسوب ہو گئے ہیں جو تنقیح وتنقید کے بعد ظاہر ہو جاتے ہیں۔ مجھ کو اس بات کی تو شکایت نہیں کہ ''خطیب بغدادی'' نے ''تاریخ بغداد'' میں آپ کے مدائح کے ساتھ ایسے اسناد سے جن کے راوی غالبًا متکلم فیہ یا مجہول ہیں، چند باتیں ایسی بھی نقل کی ہیں جن سے جناب امام کی کسرِ شان ہوتی ہے۔

دفع مطاعن

سبب کیا کہ مورخ علامہ کو رطب و یابس جو کچھ معلوم ہوا بحیثیت واقعہ نویسی درج کر دیا اور مقصود یہ تھا کہ ایسا با کمال شخص بھی طاعنین کے طعن سے محفوظ نہیں۔ اس طرح ان ائمۂ فنِ رجال سے بھی مجھ کو کچھ گلہ نہیں کہ بعضوں کی جرح وقدح نقل کر دی ہے۔ کیونکہ ان کی نیت صاف تھی، اپنے منصب کے موافق مدح اور قدح دونوں امر لکھ دئے، ہاں ان متعصب علماء سے مجھ کو البتہ یہ شکایت ہے کہ عوام کے بدگمان کرنے کو مدائح کے بدلے مطاعن ہی بھر دئے اور دفع جروح میں اغماض کیا، جس کی وجہ سے سفہائے زمانہ کی بدگمانیاں آپ سے کچھ ایسی بڑھی ہوئی ہیں کہ معاذ اللہ! ایسے ایسے اینڈے بینڈے الفاظ استعمال کر جاتے ہیں کہ خدا کی پناہ! طاعنین کے طعن اور حاسدین کے ناحق جرح وقدح سنتے سنتے دم گھبرا گیا۔

اب میں صاف صاف کہتا ہوں کہ صاحبِ منحول ہوئے یا صاحبِ منتظم یا کوئی اور صاحب ہوئے، کسی کا اعتراض قابلِ التفات نہیں۔ لوگوں نے جس قدر کلمات طعن وتشنیع کے

لکھے ہیں سب محض لوچ لچر ہیں، چند مطاعن جو عوام وسفھاء الاحلام کے زبان زد ہورہے ہیں ان کے جواب باصواب لکھ کر لوگوں کے خیالات کی اصلاح کئے دیتا ہوں، اوران کے لوح دل سے ان کے شبہات کو حرف غلط کی طرح مٹائے دیتا ہوں۔ اگرچہ مجدد العصر استاذ نا مولانا محمد عبدالحی مرحوم محدث لکھنوی نے اپنی تصنیفات میں ان مطاعن کے جواب باصواب لکھ دیے ہیں، مگراوّلاً عبارت عربیہ ہونے سے اکثر لوگ محروم ہیں۔ ثانیاً میں نے حفاظ احادیث وائمۂ رجال کی بعض ایسی کتابیں جن کے دیکھنے کولوگوں کی آنکھیں ترستی ہیں اور ہندوستان کیا ملکِ عرب میں بھی نایاب ہیں کسی طرح بہم پہنچا کے بعض مطاعن کے جواب میں آسمان وزمین کے قلابے ملا دئے ہیں۔

پہلی طعن (۱)

بہرکیف ان لوگوں کی ایک طعن یہ ہے کہ امام صاحب کو حدیث میں چنداں دخل نہ تھا کل سترہ حدیثیں جانتے تھے۔ تاریخ ابن خلدون میں ہے: ”فأبو حنيفةؒ يقال بلغت روايته إلى سبعة عشر حديثا“۔ یعنی ”امام ابوحنیفہؒ کے حق میں یہ کہا گیا ہے کہ ان کی روایاتِ حدیث کُل سترہ تک پہنچی ہیں“۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ابن خلدون نے جو کسی شخص مجہول کا یہ قول حسد آمیز نقل کیا ہے وہ بدیہی البطلان ہے جس کو طفلانِ دبستان تک سمجھ سکتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ ابن خلدون نے اس قول کو لفظ یُقالُ سے تعبیر کیا ہے جو ضعف مقولہ پر دال ہے، اوصراحۃً بھی اسکی تکذیب کی کہ اسی بحث میں یہ بھی لکھ دیا ہے: ”وقد تقول بعض المتعصبين أن منهم من كان قليل البضاعة فى الحديث ولا سبيل إلىٰ هذا المعتقد فى كبار الأئمة لأن الشريعة إنما تؤخذ من الكتاب والسنة الخ“ یعنی ”بعض متعصبین نے یہ کہ دیا ہے کہ ان

(۱) مصنف نے پہلی طباعت میں لفظ ”طعن“ کو مذکر استعمال کیا تھا لیکن اخیر میں دئے گئے غلط نامہ میں ہر جگہ مؤنث کر دیا تھا، لہٰذا ہر جگہ غلط نام کے مطابق مؤنث کر دیا گیا ہے۔ نوراللغات کی مراجعت سے معلوم ہوا کہ اہل دہلی اس کو مذکر اور اہل لکھنؤ مؤنث استعمال کرتے ہیں، مصنف کتاب کا تعلق دبستان لکھنؤ سے رہا ہے اس لیے اہل لکھنؤ کی اتباع میں اس لفظ میں مؤنث بنا دیا، آج کل مذکر ہی مستعمل ہے دیکھئے نوراللغات لفظ ”طعن“۔ (ط)

ائمہ میں سے بعض امام حدیث میں قلیل البضاعۃ تھے مگر یہ اعتقاد ائمۂ کبار کے حق میں محض بیجا ہے کیونکہ شریعت تو کتاب وسنت ہی سے ماخوذ ہوتی ہے''۔ پھر قلیل الحدیث ہونا یعنی چہ۔

امام اعظمؒ کے احادیث کثیرہ جاننے کا ثبوت

اب میں کہتا ہوں کہ بلاشک جناب امام ہزاروں احادیث نبویہ کے ماہر اور سیکڑوں آثار صحابہ سے واقف تھے۔ مگر آپ جو فقیہ کے لقب سے مشہور ہوئے، اس کی وجہ یہ ہے کہ جو شخص کئی علم کا جامع ہوتا ہے تو ان میں سے جو علم زیادہ اشرف ہوتا ہے یا جس میں اس کو زیادہ دستگاہ ہوتی ہے، تو وہ اسی علم کے ساتھ ملقب ہوتا ہے۔

درایت کا رتبہ روایت سے کہیں بڑھا ہوا ہے کیونکہ محدث کو حدیث سے صرف من حیث الروایۃ بحث ہوتی ہے اور فقیہ کو درایت یعنی استنباط احکام واستخراج مسائل کی حیثیت سے غرض ہوتی ہے۔ ترمذی نے باب غسل المیت میں لکھا ہے: ''وكذلك قال الفقهاء وهم أعلم بمعاني الحديث''۔ (۱) دیکھئے اس فقرے سے فقہاء کا رتبہ کیسا ثابت ہوتا ہے۔ چونکہ جناب امام فقہ کے مقنن ومدون تھے اس وجہ سے فقیہ کہلائے نہ محدث، ورنہ آپ کے محدث ہونے میں کیا شک وشبہ ہے، ایک دلیل تو یہی ہے کہ آپ ایسی متبرک صدی میں پیدا ہوئے تھے کہ بعض صحابہ اور ہزاروں تابعی قطعاً موجود تھے۔ اس وقت کے چھوٹے چھوٹے لڑکے بیسوں حدیثیں جانتے تھے پھر جناب امام عالی مقام کا کیا کہنا؟ دوسری دلیل یہ ہے کہ آپ کا مجتہد اعظم ہونا مسلم ہے اور بڑے بڑے محدثین ونقادِ فن آپ کے وفور علم کے قائل ہیں، کما مر۔ اور یہ امر اظہر من الشمس ہے کہ یہ وصف بغیر تبحر فی الحدیث کے ممکن ہی نہیں۔

تیسری دلیل یہ ہے کہ بالاتفاق چنداً جلہ محدثین جیسے عبداللہ بن مبارک وغیرہ فقہ میں آپکے شاگرد ہیں۔ اور یہ اظہر من الشمس ہے کہ تعلیم فقہ میں ضرور بحث آپڑتی ہوگی اور تائید یا مخالفت میں تلامذہ یقیناً احادیث پیش کرتے ہوں گے۔ پس ظاہر ہے کہ شاگردوں کے ذریعے سے بھی سیکڑوں حدیثیں آپ کو پہنچ گئی ہوں گی۔

(۱) یعنی فقہاء نے ایسا ہی کہا ہے اور معانی سے حدیث وہ زیادہ واقف ہیں۔

دیکھو آج بھی اگر کوئی عالم درس دیتا ہے تو شاگرد کس قدر الجھتے ہیں اور اعتراضات کرتے ہیں، اور اپنے اپنے دلائل پیش کرتے ہیں۔ آخر استاد کو اپنے لائق تلامذہ کے واسطے سے بھی بہت کچھ معلوم ہو جاتا ہے۔

چوتھی دلیل یہ ہے کہ علامہ ذہبی جو امام فن حدیث و نقادِ رجال ہیں انہوں نے اپنے ''تذکرۃ الحفاظ'' میں جنابِ امامِ عالی مقام کو اور حفاظ کے ساتھ طبقہ خامسہ میں ذکر کیا ہے۔ اور علامہ محمد بن یوسف شافعی نے "عقود الجمان"، میں اس باب میں ایک باب علیحدہ لکھا ہے جس کی سرخی یہ ہے الباب الثالث والعشرون فی بیان کثرۃ حد یثه و کونه من أعیان الحفاظ المحدثین، اور ماہرانِ علم حدیث پر خوب روشن ہے کہ حافظ اصطلاح محدثین میں اس شخص کو کہتے ہیں جو لاکھ حدیثیں جانتا ہو۔ چنانچہ "شرح مختصر جرجانی"، میں ہے "الحفاظ جمع الحافظ وھو من أحاط علمه بمائة ألف حدیث" یعنی ''حفاظ حافظ کی جمع ہے اور حافظ اس کو کہتے ہیں جس کا علم لاکھ حدیثوں پر محیط ہو''۔ علامہ ابن حجر مکی شافعی نے خیرات الحسان میں لکھا ہے:"مر أنه أخذ عن أربعة آلاف شیخ من التابعین ومن ثم ذکرہ الذھبی وغیرہ فی طبقات الحفاظ المحدثین ومن زعم قلة اعتنائه بالحدیث فھو إما لتساھله أو حسدہ"۔ یعنی ''یہ بات اوپر بیان ہو چکی کہ امام ابوحنیفہؒ کے شیخ چار ہزار تابعی تھے، اسی وجہ سے علامہ ذہبی وغیرہ نے ان کو طبقات حفاظ حدیث میں ذکر کیا ہے، اور جس نے قلتِ حدیث کا زعم کیا ہے اس کا منشا یا تو تساہل ہے کہ وہ ان کے حالات سے واقف نہ ہو یا بغض وحسد ہے کہ ایسے خیالات میں پیچیدہ ہوئے اور ایسے مقالات اس کی زبان سے صادر ہوئے''۔

اب میں اس قول کی طرف متوجہ ہوتا ہوں جس کو ابن خلدون نے نقل کیا ہے، کہ اس کا مطلب آیا یہ ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کو کل سترہ حدیثیں ان کے شیوخ سے پہنچیں جیسا کہ بعض سفہاء الاحلام نے مشہور کر رکھا ہے تو یہ بھی بدیہی البطلان ہے جس کے دُھوئیں اڑ چکے، اور اگر یہ مراد ہے کہ وہ حدیثیں جو بتوسط جناب امامؒ لوگوں کو پہنچی ہیں وہ صرف سترہ ہیں، تو اگر یہ قول صحیح بھی مان

لیا جائے تو اس سے کسرِ شان نہیں ہوسکتی، کیونکہ بہت سے ائمۂ دین تحدیث سے احتیاط رکھتے تھے اور کتاب وسنت سے مسئلے استنباط کر کے لوگوں کو بتا دیا کرتے تھے۔ اور بہت سے محدثین ایسے گزرے ہیں جنکی حدیثیں کتابوں میں درج ہی نہیں ہوئیں۔ احادیث کا کم جاننا باعثِ طعن ہوسکتا ہے نہ کہ قلت روایت۔ دیکھو سید الشہداء جناب ''امام حسین علیہ السلام'' باوجود یہ کہ پروردۂ آغوشِ بتولؓ وراکبِ دوشِ رسولؐ تھے اور جن کو عمر بھر صحابہ کرام کی صحبت رہی اور جن کا سینہ احادیث کا گنجینہ تھا ان کی نسبت نواب صدیق حسن خان مرحوم ''تقصار'' میں لکھتے ہیں کہ

''ہشت حدیث از وے مرویست''(۱)

جب سید الشہداء علیہ السلام سے بقول نواب صاحب آٹھ حدیثیں مروی ہیں تو اگر جناب امام سے بالفرض سترہ حدیثیں مروی ہیں تو محل طعن کیا ہے۔

رہی یہ بات کہ جناب امام کے حق میں یہ قول کیسا ہے تو محض غلط ہے، کیونکہ تصانیف امام محمدؒ وطحاویؒ وطیالسیؒ وحاکمؒ وبیہقیؒ وغیرہم میں احادیث مرویہ جنابِ امام اس قدر درج ہیں کہ اگر سب مجتمع کی جائیں تو سیکڑوں ہو جائیں۔ مسلمانو! ذرا جائے انصاف ہے کہ باوجودے کہ جناب امام حدیث کی روایت کرنے میں بہت احتیاط کرتے تھے اور کتاب وسنت وآثار سے مسئلے استنباط کر کے بتا دیا کرتے تھے پھر بھی آپ کی مرویہ حدیثیں کتب احادیث میں سیکڑوں موجود ہیں اس پر بھی آپ کی حدیث دانی سے انکار کرنا اور یہ کہنا کہ وہ کل سترہ حدیثیں جانتے تھے کس قدر قابلِ مضحکہ ہے۔ اور بعض کتب تواریخ میں جو یہ لکھا ہے کہ ابوحنیفہؒ نے کہا ہے کہ جب میں مکّہ گیا اور سر منڈوانے لگا تو حلقِ راس کے باب میں حجام سے مجھ کو فلاں فلاں تین سنتیں معلوم ہوئیں۔ یہ واقعہ لکھ کے پھر یہ لکھا ہے "قال الحميدي فرجل ليس عنده سنن من رسول الله ﷺ وأصحابه في المناسك وغيرها (۲)الخ۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ تو کوئی کہتا نہیں کہ جناب امام مادرزاد محدث تھے آپنے عمر

(۱) یعنی آپ سے صرف آٹھ حدیثیں مروی ہیں۔

(۲) یعنی ایسا شخص جس کے پاس رسول پاک علیہ السلام اور صحابہؓ کی سنتیں مناسک حج کے مسائل میں بھی نہ جانتا ہو۔

بھر میں پچپن حج ادکئے ،اگر ایام صبایا شباب کے کسی حج میں آپ نے حجام سے تین سنن جو پہلے معلوم نہ تھے سیکھے تو آپ پرحرف کیا آ گیا۔اورحمیدی نے جواس واقعے کےسبب سےآپ کے مناسک وغیرہا پرطعن کیا ہے وہ محض تعصب یا تساہل ہے۔ کیونکہ آپ مناسک میں اس قدر یدطولیٰ رکھتے تھے کہ اعمش جیسے محدث وامامِ وقت نے آپ سے اس کےلکھ دینے کے لیے درخواست کی تھی۔علامہ ابن حجر مکی شافعیؒ نے خیرات الحسان کی بارہویں فصل میں لکھا ہے:"لما حج الاعمش أرسل إليه ليكتب له المناسك و كان يقول اكتبوا المناسك عنه فإني لا اعلم احدا اعلم بفرضها و نفلها منه"۔یعنی''جب اعمش نے حج کاارادہ کیاتو امام ابوحنیفہؒ کومناسک حج لکھ دینے کو کہلا بھیجا۔اور وہ لوگوں کو کہا کرتے تھے کہ ان سے مناسک حج لکھ لو کیونکہ فرائض ونوافلِ مناسک کے باب میں کسی کوان سے بڑھ کے میں عالم میں نہیں جانتا''۔

دوسری طعن

یہ ہے کہ امام صاحب قیاس کوحدیث صحیح پرمقدم کردیا کرتے تھےاسی وجہ سےائمۂ فن نے ان کوامام اصحاب الرائے لکھا ہے۔اس کا جواب یہ ہے کہ اس قول سے اگر یہ مراد ہے کہ حدیثوں کو بالائے طاق رکھ کروہ محض قیاسات سے کام نکالتے تھےتو یہ محض اتہام ہے۔بھلا کوئی ادنی مسلمان بھی ایسا کرسکتا ہے۔بات یہ ہے کہ آپ کتاب وسنت کے معانی ومطالب میں عقل و قیاس کو بہت دخل دیتے تھےاور ہر پہلو دیکھ لیتے تھے "من يرد الله به خيرا يفقهه في الدين" (۱) کے آپ مصداقِ کامل تھے۔دین کے باب میں عقلائے زمانہ کے امام تھے،لہٰذا ائمۂ فن نے تعریف کے مقام میں آپ کوامام اصحاب الرائےلکھا ہے۔آپ کےاحسن الرائے ہونے میں تو کچھ کلام ہےنہیں،دیکھونقادرجال علامہ ذہبی نے"تهذيب التهذيب"اوراسی طرح اورعلما نے اپنی تالیفات میں یحیٰی بن معین کا یہ قول نقل کیا ہے: "سمعت يحىٰ بن سعيدا لقطان يقول لا نكذب على الله ما سمعنا باحسن من رأى أبي حنيفةؒ"۔یعنی''یحیٰی بن سعید قطان کو

(۱)یعنی اللہ کی جس کے ساتھ بھلائی چاہتا ہےاس کوخیر دین کاعلم عطافرماتا ہے۔

یہ کہتے ہوئے میں نے سنا کہ میں کذب اختیار نہ کرونگا اور حق کو نہ چھپاؤں گا، بات یہ ہے کہ رائے ابوحنیفہ سے احسن میں نے کہیں نہ پائی''۔ اگر کوئی ذی فہم تعصب مذہبی چھوڑ کر کتب حدیث وفقہ وشروح کو ملاحظہ کرے تو وہ بیشک سمجھ سکتا ہے کہ امام اعظمؒ واقعی احسن الرائے تھے، جو جو حدیثیں کہ بظاہر آپ کے مخالف ہیں آپ نے ان کو محامل حسنہ پر حمل کر دیا ہے، نہ یہ کہ حدیثوں کو بالائے طاق رکھ کر اپنی رائے پر قائم رہے ہیں۔

بحث آمین بالجہر

دیکھو آمین بالجہر کا مسئلہ کیسا معرکۃ الآراء ہے جس کی سارے ہندوستان میں آج کل ایک دھوم مچی ہوئی ہے۔ متعصبین تو یہی سمجھتے ہیں کہ جنابِ امام کا فتویٰ اس مسئلے میں خلافِ سنت ہے۔ حالانکہ انصافانہ دیکھنے سے نقش کالحجر ہو جاتا ہے کہ بلاشک جناب امام کی رائے اس مسئلہ میں نہایت ہی مستحسن ہے۔ کیونکہ کل احادیث کے ملانے سے صاف ظاہر ہے کہ آنحضرتؐ نے بعض اوقات نماز جہریہ میں زور سے آمین کہا ہے نہ کہ برابر، اگر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم برابر زور سے آمین کہتے ہوتے تو صحابہ وتابعین وغیرہ ہم سب کے سب دیکھا دیکھی پکار ہی کے آمین کہتے، کیونکہ جس چیز کی آپ مواظبت کریں اور اس میں کچھ دقت نہ ہو صحابہؓ وغیرہ ہم کی شان سے بعید ہے کہ وہ بھی اس کو برابر ادا نہ کریں، ضرور وہ بھی برابر پکار ہی کے آمین کہتے، اور جہاں جہاں اسلام نے قدم رکھا تھا نماز کے ساتھ اذان کی طرح اس کی بھی اشاعت ہو جاتی کیونکہ جو چیز رات دن میں تین دفعہ ہر روز عین جماعت میں پکار کے کہی جائے ممکن نہیں کہ وہ شہرت پذیر نہ ہو۔ حالانکہ طبری نے "تهذیب الآ ثار" میں یہ حدیث بسند صحیح روایت کی ہے: "حد ثنا أبو بكر بن عياش عن أبي سعيد عن ابي وائل قال لم يكن عمر وعلى يجهران بسم الله الرحمن الرحيم ولا بامين"۔ یعنی "عمرؓ وعلیؓ یہ دونوں بسم اللہ اور آمین کو جہر سے نہ پڑھتے تھے"۔ اور طحاوی نے "معاني الآثار" میں روایت کی ہے: "حد ثنا سليمان بن شعيب الكيساني قال حدثنا على بن معبد قال ثنا أبو بكربن عياش عن أبي سعيد عن أبي

وائل قال کان عمر وعلی لا یجهران ببسم الله الرحمٰن الرحیم ولا بالتعوذ ولا بالتأمین"۔ یعنی "عمر وعلیؓ کی یہ حالت تھی کہ بسم اللہ اور اعوذ باللہ اور آمین ان تینوں کو جہر سے نہ پڑھتے تھے۔" اور بسند صحیح ثابت ہے کہ حضرت ابراہیم نخعیؒ جو بہت بڑے فقیہ اور امام وقت تھے اور جنہوں نے حضرت عائشہؓ تک کو دیکھا تھا، ان کا یہی فتوی تھا کہ آمین کو نماز میں آہستہ کہنا چاہیے۔

چنانچہ امام محمدؒ نے "کتاب الآثار" میں روایت کی: "أخبرنا أبو حنيفة عن حماد عن إبراهيم قال أربع يخافت بهن الإمام سبحانك اللهم وبحمدك والتّعوذ من الشيطان وبسم الله الرحمن الرحيم آمين" یعنی "کہا نخعی نے کہ چار چیزیں امام آہستہ پڑھے، ایک سبحانک الخ دوسرے تعوذ، تیسرے بسم اللہ، چوتھے آمین"۔ غرض کہ واقعات کو خیال کر کے عقل سلیم صاف کہہ دیتی ہے کہ یقیناً آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز جہریہ میں برابر آمین پکار کے نہیں کہی ہے، ورنہ آپ ہی کے زمانے میں دیکھا دیکھی اذان کی طرح بلکہ اس سے بھی بڑھ کر ہر طرف آمین بالجہر کے ڈنکے بجتے۔ اور جو حدیثیں (۱) آمین بالجہر کے باب میں وارد ہوئی ہیں ان سے صرف یہ نکلتا ہے کہ آپ نے پکار کے بھی آمین کہی ہے۔ اور یہ آمین بالسر کے مخالف نہیں۔ کیونکہ سب حدیثوں کے ملانے اور واقعات کے خیال کرنے سے یہ بات نکلتی ہے کہ آنحضرتؐ نے اکثر اوقات آمین آہستہ اور احیاناً زور سے کہی ہے، جن حضرات نے یہ خیال کیا کہ جس امر کو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ہوا گرچہ احیاناً ہو وہ مستحب ہے، لہٰذا وہ آمین بالجہر کے استحباب کے قائل ہوئے، مگر ماہرانِ علمِ حدیث پر خوب روشن ہے کہ بہت سی چیزیں آپ نے تعلیماً جہر سے پڑھی ہیں جیسے ظہر وعصر کی نماز میں بعض دفعہ آپ نے بعض آیتیں زور سے پڑھی ہیں تا کہ مقتدیوں کو معلوم ہو جائے کہ آپ فلاں سورہ پڑھ رہے ہیں۔

اب قابلِ غور یہ امر ہے کہ بعض اوقات جو آپ نے زور سے آمین کہی ہے تو کیا اس میں

(۱) و لا الضالین از جہریہ میں آمین کے ثبوت میں بعض ایسی متن پیش کرتے ہیں جن سے حقیقت ان کا مدعا ثابت نہیں ہوتا۔

زیادہ ثواب تھا یا صرف تعلیم مقصود تھی کہ حاضرین جماعت واقف ہو جائیں کہ نماز میں آمین پڑھنا بھی مستحب ہے۔اور یہ اظہر من الشّمس ہے کہ آمین کے پکار کے کہنے میں نہ تو آہستہ کہنے سے کچھ اس میں وقت صرف ہوتا ہے، اور نہ اس میں کچھ دقت ہے۔پس اگر زور سے پڑھنے میں ثواب زیادہ ہوتا تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم جو ثواب پر حریص تھے بلا وجہ اس فضیلت کو ہاتھ سے جانے نہ دیتے اور برابر پکار ہی کے پڑھا کرتے۔غایت مافی الباب جواز کے لیے کبھی آہستہ پڑھ دیتے۔حالانکہ اوپر کی تقریر سے اکثر اوقات آپ کا آہستہ آمین پڑھنا کما حقہ ثابت ہو چکا۔پس صاف ظاہر ہے کہ بعض اوقات جو آپ نے جہر سے آمین پڑھی ہے وہ تعلیماً تھی نہ کہ استحباباً۔

دیکھو علامہ ابن قیم حنبلی جن کو حضرات غیر مقلدین بہت مانتے ہیں، اور فی الواقع انکو عِلم حدیث میں تبحر حاصل تھا وہ بھی آخر اسی کے قائل ہو گئے کہ آمین بالجہر تعلیماً تھی، چنانچہ زادالمعاد فی هدی خیر العباد (جلد اول ص:۷۲) میں وہ لکھتے ہیں:

"فـإذا جهـربه الإمام أحيانا ليعلم المامو مين فلا باس بـذ لك فـقد جهر عمرؓ بالا فتتا ح ليعلم المامو مين و جهرا بن عباسؓ بقرائة الفاتحة فی صلوة الجنازة ليعلمهم انها سنة و من هذ ا ايضا جهرا لامام بالتامين"۔یعنی "اگر احیاناً امام مقتدیوں کی تعلیم کے لیے وقتِ نزولِ نازلہ دعائے قنوت کو بالجہر کہے تو کچھ مضائقہ نہیں، حضرت عمرؓ نے اسی تعلیم کے خیال سے افتتاح کو بالجہر پڑھا ہے اور عبداللہ بن عباس نے نماز جنازہ میں سورۂ فاتحہ جہر سے پڑھی ہے تا کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ اس سورہ کا پڑھنا سنت ہے اور امام کا آمین پکار کے کہنا بھی اسی قبیل سے ہے"، یعنی تعلیماً ہے۔

مجھے ان حضرات سے تو کچھ بحث نہیں جو پرانی لکیر کے فقیر ہیں اور کسی طرح دلیل معقول ان کے ذہن میں آتی ہی نہیں۔ہاں جو لوگ انصاف پسند ہیں ان سے امید ہے کہ وہ ضرور سمجھ گئے ہوں گے کہ واقعی جناب امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی رائے اس مسئلے میں نہایت احسن

واقع ہوئی ہے۔اسی طرح بہت سے مسائل مختلف فیہا ہیں جن میں غور کرنے سے ثابت ہوتا ہے کہ ان میں جناب امام کی رائے نہایت ہی مستحسن واقع ہوئی ہے۔افسوس کہ طوالت کے خیال سے میں نے اسی ایک آمین پر اکتفا کی ورنہ اور مسائل کے مستحسنات بھی دکھاتا

خیر یار زندہ صحبت باقی

الغرض جنابِ امامِ عالی مقام کے احسن الرائے ہونے میں کچھ کلام نہیں ۔اسی وجہ سے اَئمہ فن نے تعریفًا آپ کو امام اصحاب الرائے لکھا ہے۔ہاں مخالفین نے البتہ کج فہمی و حسد و منافرت سے خود رائے کے معنوں میں آپ کو اہل الرائے وغیرہ کہا ہے جس کی نسبت ’’قطبِ ربانی امام شعرانیؒ ‘‘ نے ’’میزانِ کبریٰ‘‘ میں لکھا ہے:"ولاعبرة لکلام بعض المتعصبين فی حق الإمام ولا بقو لهم انه من جملة اهل الرأی بل کلام من يطعن فی هذا الا مام عند المحققين يشبه الهذ يا نات" یعنی ’’بعض متعصبین نے جناب ابوحنیفہؒ کے حق میں جو کچھ کلام کیا ہے نہ اس کا کچھ اعتبار ہے اور نہ ان لوگوں کے اس قول کا کچھ اعتبار ہے کہ وہ اہل الرائے سے تھے بلکہ جو لوگ ان کے حق میں طعن کرتے ہیں محققین کے نزدیک ان کی باتیں ہذیانات کے مشابہ ہیں‘‘۔

تیسری طعن

تیسری طعن یہ ہے کہ امام صاحب روایتِ حدیث میں ضعیف ہیں، امام بخاری، دار قطنی ،ابن جوزی،ابن عدی نے ان پر جرح کی ہے۔ذہبی نے "میزان الاعتدال" میں ان کو ضُعفاء میں شمار کیا ہے۔

توثیق امام اعظمؒ

اس کا جواب یہ ہے کہ حسبِ اصولِ حدیث جناب امام عالی مقام کی تضعیف ھباءً منثورا کی طرح اڑ جاتی ہے۔ پہلے انصافانہ ملاحظہ طلب ہے کہ کیسے کیسے نقّادفن نے آپ کی

توثیق ثابت کی ہے،''حافظ ابوالحجاج مزی'' جو امام فنِ رجال ہیں وہ ''تہذیب الکمال'' میں آپ کی توثیق یوں ثابت فرماتے ہیں:''قال محمد ابن سعد العوفی سمعت یحیی بن معین یقول کان ابو حنیفہ ثقةً فی الحدیث لا یحدث الا بما یحفظه ولایحدث بما لایحفظه وقال صالح بن محمد الاسدی عنه کان أبو حنیفة ثقةً فی الحدیث" ۔ یعنی ''محمد بن سعد عوفی نے کہا کہ میں نے یحییٰ بن معین کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ ابوحنیفہؒ حدیث میں ثقہ تھے جو حدیث کہ ان کو خوب یاد ہوتی اسی کو روایت کرتے ورنہ احتیاط رکھتے۔ اور صالح بن محمد اسدی نے بھی ابنِ معین کا یہ قول نقل کیا ہے کہ حدیث میں وہ ثقہ تھے''۔ اور نقادِ فن علامہ ذہبی جنکی نسبت یہ کہا جاتا ہے کہ انہوں نے ضُعَفاء میں شمار کیا ہے دیکھو" تهذیب التهذیب" میں جناب امام کا ثقہ ہونا یوں ثابت کرتے ہیں:''قال صالح بن محمد جزرة وغیره سمعنا یحیی بن معین یقول أبو حنیفة ثقةً فی الحدیث وروی أحمد بن محمد بن محرز عن ابن معین لا باس به (۱)"۔ اور "تذکرة الحفاظ" میں بھی امام ذہبی نے ابن معین کا قولِ لا باس بـه نقل کیا ہے اور یہ لفظ ابن معین کی اصطلاح میں بجائے ثقہ کے ہے۔ علامہ بدر بن جماعہ نے اپنے مختصر میں لکھا ہے: "قال ابن معین اذا قلت لا باس به فهو ثقة (۲)"۔

اور شیخ الاسلام حافظ ابن حجر عسقلانی نے ''تہذیب التہذیب'' میں لکھا ہے: "قال محمد بن سعد سمعت یحیی بن معین یقول کان ابو حنیفة ثقةً لا یحدث بالحدیث الا بما یحفظه ولا یحدث بما لا یحفظ وقال صالح بن محمد الا سد ی عن ابن معین کان ابو حنیفة ثقة فی الحدیث" (۳)۔ اور علامہ صفی الدین احمد خزرجی نے خلاصہ تذہیب (ص:۴۰۲) میں لکھا ہے: "النعمان بن ثابت الفار سی أبو حنیفة إمام

(۱) صالح بن محمد اور دوسرے اہل علم کہتے ہیں کہ ہم نے یحیٰی بن معین کو کہتے ہوئے سنا کہ ابوحنیفہؒ حدیث میں ثقہ ہیں، اور احمد بن محمد ابن معین کے حوالے سے نقل کرتے ہیں کہ ابوحنیفہؒ کی روایت میں کوئی حرج نہیں۔

(۲) ابن معین نے فرمایا کہ جب میں "لا باس به" کہوں تو اس کا مطلب معتبر اور ثقہ ہوتا ہے۔

(۳) اس کا ترجمہ متن میں اوپر گزر چکا ہے۔

العراق وفقيه الامة عن عطاء ونافع والاعرج وطائفة وعنه ابناه حماد وزفر وأبو يوسف ومحمد وجماعة وثقه ابن معين" (۱) الخ۔ **اورعلامہ ابن حجر مکی نے خیرات الحسان میں لکھا ہے**"وسئل ابن معين عنه فقال ثقة ماسمعت أحدا ضعيف"۔ **یعنی"امام ابوحنیفہؒ کے بارے میں ابن معین سے جوسوال کئے گئے توانہوں نے کہا کہ وہ ثقہ ہیں، کسی کو میں نے ضعیف کہتے نہیں سنا"۔اب جائے غور ہے کہ علامہ مزی حافظ ذہبی، شیخ الاسلام ابن حجر وغیرہ جیسے نقادفن نے بلا ذکرالفاظ جرح ابنِ معین جیسے مشدّد فی الجرح کی توثیق کس دھوم دھام سے نقل کی ہے جس سے صاف نکلتا ہے کہ ان لوگوں کے نزدیک بھی جناب،امام کا ثقہ ہونا ثابت ہے، ورنہ اپنے منصب کے موافق بلاخوفِ لومِ لائم الفاظ جرح بھی نقل کر دیتے اورصرف توثیق پر سکوت نہ کرتے۔اورتوثیق بھی کس کی کہ ابنِ معین کی، جو جرح میں متشدّد گنے گئے ہیں،اورظاہر ہے کہ مشدّد فی الجرح کی توثیق نہایت ہی قابل اعتبار ہوتی ہے۔**

اور یہ بھی سن لوکہ یحییٰ بن معین وہ شخص ہیں جن کی نسبت حافظ ابنِ حجر نے"تقریب" میں لکھاہے: "ثقة حافظ مشهور إمام الجرح والتعديل"۔ **اب اورسنو،علامہ ابن حجر مکی شافعی نے خیرات الحسان کی تیرہویں فصل میں سفیان کا یہ قول نقل کیا ہے:**"كان ثقةً صدوقاً فى الفقه والحديث مامونًا علىٰ دين الله" (۲)۔**اوراڑتیسویں فصل میں لکھاہے:** "وقد قال الإمام على بن المديني أبوحنيفة روى عنه الثورى وابن المبارك وحماد بن زيد و هشام و وكيع وعباد بن العوام وجعفر بن العوام وجعفر بن عون وهو ثقة لا باس به (۳)۔ **دیکھوامام علی بن المدینی جیسے شخص نے بھی جناب امام کی توثیق کی جن کی نسبت علامہ ابن حجر نے"تقریب**

(۱) ابوحنیفہؒ نعمان بن ثابت فارسی (ایرانی) امام عراق اورفقیہ امت ہیں،عطاء، نافع، اعراج اوراہل علم کی ایک جماعت سے روایت کی، ان کے دونوں صاحبزادے اورابو یوسف اورمحمد اور ایک بڑی تعدادروایت کرتی ہے، ابن معین نے ان کی توثیق کی ہے۔

(۲) فقہ اورحدیث سچ اورمعتبر ہیں اوردین کے سلسلہ میں تمام برائیوں سے محفوظ ہیں۔

(۳) اس عبارت کامفہوم اوپرکئی عبارتوں میں آچکا ہے،اس میں ان کے تلامذہ کے نام اوران کی توثیق ہے۔

التہذیب''میں لکھا ہے ”ثقـه ثبـت امـام اعـلـم اهلِ عصره بالحديث و عِلَله حتى قال البخاری ما استصغرت نفسی إلا عنده“. (۱)

اب حضرات ناظرین ذراانصاف سے ملاحظہ فرمائیں کہ ان اقوال سے جناب امام عالی مقام کا ثقہ ہونا کیسا ثابت ہوگیا۔اورابن ابی حاتم وغیرہ کے نزدیک تعدیل کے چار مراتب ہیں۔ ان میں سے ثقہ پہلے درجے کی تعدیل ہے،جس راوی کے حق میں یہ کلمہ محدثین استعمال کرتے ہیں وہ اسبابِ طعن سے بری سمجھا جاتا ہے اوراس کی روایت قابل احتجاج ہوتی ہے۔حافظ ابن الصلاح نے اپنے مقدمے(ص:۵۵)میں لکھا ہے: ”أما ألفـاظ التعـديل فعلیٰ مراتب الاولی قال ابن أبی حاتم إذا قيل للواحد أنه ثقة أو متقن فهو ممن يحتج بحديثه (۲)الخ۔ **اوراس میں یہ بھی ہے:**”قـال الـخـطيب أبو بكر أرفع العبارات فی أحوال الرواة أن يقال حجة أو ثقة“ **اوربعض محدثین نے تعدیل کے پانچ درجے لکھے ہیں ان میں سے درجہ اولیٰ یہ ہے کہ لفظِ توثیق مکرر استعمال کیا جائے۔''حافظ عراقی''نے شرح الفیۃ الحدیث میں لکھا ہے:** ”فـالـمرتبة الأولـىٰ الـعليا من ألفاظ التعديل ولم يذكرها ابن أبی حاتم ولا ابن الصلاح هی إذا كـر رلـفظ التو ثيق أما مع تباين اللفظين كقولهم ثَبَت حجة أو ثبت حافظ أوثقة ثبت أو ثـقة متـقن أو نحو ذٰلك وإما مع اعادة اللفظ الأول كقو لهم ثقة ثقة ونحوها“ (۳)۔

اب جائے غور ہے کہ اس تقسیم کے اعتبار سے بھی آپ کی تعدیل اعلیٰ درجے کی ثابت ہے۔کیونکہ آپ کے حق میں بھی توثیق کے مکرر الفاظ مستعمل ہوئے ہیں کمامر۔

---

(۱) ثقہ،معتبر اور امام ہونے کے علاوہ اپنے دور میں حدیث وعلل حدیث کے سب سے بڑے عالم تھے یہاں تک کہ امام بخاریؒ نے فرمایا کہ میں نے اپنے آپ کو ان کے علاوہ کسی کے سامنے چھوٹا نہیں سمجھا۔

(۲)الفاظ تعدیل کے مختلف مراتب میں ابن ابی حاتمہ کے بقول اگر کسی کے بارے میں ثقہ یا متقن کا لفظ استعمال کیا جائے تو اس کا مطلب ہے کہ اس کی حدیث نا قابل استدلال ہے۔

(۳)کسی راوی کی عدالت ثابت کرنے کے لیے سب سے اعلیٰ درجہ کا لفظ جس کا نہ ابن ابی حاکم نے ذکر کیا ہے نہ ابن الصلاح نے وہ یہ ہے کہ کوئی لفظ مکرر لایا جائے خواہ وہ ایک ہی لفظ کی تکرار ہو یا دو مختلف الفاظ کی۔

جب جناب امام عالی مقام کی توثیق کما حقہ ثابت ہو چکی تو اب میں کہتا ہوں کہ بلاشک جناب امامؒ پر لوگوں نے جرحیں بھی کی ہیں مگر یہ امر کچھ آپ ہی کے ساتھ خاص نہیں، بڑے بڑے ثقاتِ محدثین پر جرحیں ہوئی ہیں، امام شافعی پر ابن معین نے اسی طرح امام بخاری وغیرہ پر اور لوگوں نے جرح کی ہے مگر ان جروح سے کچھ دھبہ نہیں لگ سکتا۔ کیونکہ یہ مسئلہ محقق ہو چکا ہے کہ جس شخص کی نسبت جرح اور تعدیل دونوں واقع ہوئے ہوں مگر جرح مفسر ومبین السبب نہ ہو جیسے کسی نے "ضعیف" کہہ دیا ہو اور وجہ ضعف بیان نہیں کی گئی ہو و قس علیٰ هذا یا مبین ومفسر ہو مگر جرح کرنے والا متشدد متساہل ہو یا اس کو مجروح سے تحاسد ومخاصمت ومنافرت ہو تو ایسے جروح کا کچھ اعتبار نہیں۔ ایسی حالتوں میں تعدیل مقدم کی جاتی ہے۔ ''علامہ ابن دقیق العیدؒ'' نے "شرح الالمام باحاديث الاحكام" میں لکھا ہے: ''بعد أن يو ثق الراوی من جهة المزكين قد يكون الجرح فيه مبهما غير مفسر و مقتضى قو اعد الاصول عند أهله انه لايقبل الجرح إلا مفسرًا" (۱)۔ اور ''نووی'' نے شرح صحیح مسلم میں لکھا ہے: "لا يقبل الجرح إلا مفسرًا مبين السبب" (۲) اور ''علامہ عبدالعزیز بخاری'' نے " کشف الا سرار" میں لکھا ہے: "اما الطعن من ائمة الحديث فلا يقبل مجملا بأن يقول هذا الحديث غير ثابت أو منكر أو فلان متروك الحديث أو ذاهب الحديث أو مجروح أو ليس بعدل من غير أن يذ كر سبب الطعن وهو مذهب عامة الفقهاء والمحد ثين" (۳)۔ جرح مبہم کی تحقیق تو ہو چکی، رہی یہ بات کہ مشددین ومتساہلین کی جرح یا ایسے شخص کی جرح جس کو مجروح سے تحاسد ومنافرت ہو وہ بھی تعدیل

(۱) راوی کی توثیق کے بعد بھی کبھی اس بارے میں جرح مبہم پایا جاتا ہے کہ جب واضح نہ ہو قابل قبول نہیں۔
(۲) جرح اسی وقت قابل قبول ہوگی جب کہ اس کی وجہ بھی وضاحت کے ساتھ ذکر کر دی جائے۔
(۳) عام فقہاء ومحدثین کے قول کے مطابق ائمۂ حدیث کی مجمل جرح قابل قبول نہیں ہوگی جب تک کہ اس کے اسباب بھی نہ بیان کیے جائیں۔

کے آگے قابلِ اعتبار نہیں۔ اس مبحث کو حضرت استاذی محدث لکھنوی نے ''رفع وتکمیل''(۱) میں نہایت بسط سے لکھا ہے۔ فمن شاء التحقيق فلير جع إليه۔

جب یہ تمہیدات سن چکے تو اب حضراتِ جارحین کی جرح وقدح کا حال دیکھو، صاحب "دراسات اللبيب" نے "كتاب الضعفاء" بخاری سے امام بخاری کی یہ جرح ''سكتو اعن رأيه وعن حديثه" (۲) نقل کی ہے۔ مگر اس کے ساتھ ہی انہوں نے نہایت دھوم دھام سے اسکا جواب لکھا ہے۔ افسوس ہے کہ لوگ "دراســـات" سے امام بخاری کی یہ جرح نقل کرتے ہے مگر جواب کا کچھ خیال نہیں کرتے۔

بہر کیف مجھ سے امام بخاری کی اس جرح کا جواب باصواب سنو۔ اولاً یہ جرح" تركوه"اور''متروك الحديث اور ذاهب الحديث" وغیرہ کی طرح مبہم ہے۔ سکوت کا سبب مبین نہیں۔ پس تعدیل وتوثیق کے آگے یہ جرح مقبول نہیں ہوسکتی۔ ثانیاً: تصریحات علماء اور تصانیف بخاری سے خوب روشن ہے کہ امام بخاری علیہ الرحمہ کو امام ابوحنیفہؒ سے سخت منافرت مذہبی تھی، پس اس منافرت کی وجہ سے بھی یہ جرح قابل اعتبار نہیں۔ ثالثاً: یہ ایسی جرح ہے جو بدیہی البطلان ہے کیونکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ابوحنیفہؒ کی رائے اور حدیث کو محدثین نے ترک کیا ہے۔ حالانکہ دونوں باتیں صحیح نہیں۔ ایک عالم نے آپ کی رائے کی تعریف لکھی ہے اور اکابر محدثین نے آپ سے حدیثیں روایت کی ہیں۔ اور تو اور، خود یحیٰی بن سعید قطان جیسے محدث نے باوجود اس امر کے کہ وہ متشدد فی الجرح تھے جناب امام عالی مقام کے حق میں یہ کہا ہے: ''لا نكذب على الله ما سمعنا أحسن من رأى أبى حنيفة ولقد أخذ نا بأكثر أقواله كذا فى تهذيب الكمال وغيره"۔ (۳) اور علامہ ابن حجر مکی نے خیرات الحسان میں ابن معین کا یہ

(۱) الرفع والتكميل في الجرح والتعديل از علامہ عبدالحی لکھنوی۔ (ط)

(۲) یعنی علماء نے ان کی حدیث اور رائے دونوں کے بارے میں خاموشی اختیار کی ہے۔

(۳) ہم اللہ کو گواہ بنا کر کہتے ہیں ہم نے ابوحنیفہؒ سے بہتر رائے کسی کی نہیں سنی ان کے اکثر اقوال سے ہم نے استدلال بھی کیا ہے، جیسا۔

قول نقل کیا ہے: "هذا شعبة يكتب له أن يحدث" (۱) سخت تعجب تو یہ ہے کہ خود بخاری نے امام ابو حنیفہؒ سے چندا کا بر محدثین کا روایت کرنا تسلیم کر لیا ہے کیونکہ کتاب الضعفاء کی پوری عبارت یہ ہے: "النعمان بن ثابت أبو حنيفة الكوفي مولىٰ بني تيم الله بن ثعلبه روى عباد بن العوام وابن المبارك وهشيم وو كيع ومسلم بن خالد وأبو معاوية والمقرى كان مرجياً سكتو اعن رأيه وعن حديثه" (۲) ذرا جائے غور ہے کہ ان لوگوں میں سے بجز "مسلم ابن خالد" کے کہ ابو داؤد اور ابن ماجہ کے راوی ہیں باقی کل شیوخ بخاری سے ہیں اور صحاحِ ستہ میں ان سے بکثرت روایتیں موجود ہیں۔ اور یہ لوگ اکابر محدثین سے تھے۔ جب ان لوگوں نے جناب امام سے حدیثیں روایت کی ہیں تو " سكتوا عن حديثه" چہ معنی دارد، اور اگر یہ کہیں کہ بعضوں نے ترک کیا ہے تو اس سے کیا بگڑا۔ دیکھو علی بن مدینی جو بخاری کے بہت بڑے شیخ ہیں اور جن کے حق میں بخاری نے یہ کہا ہے کہ "میں نے اپنے آپ کو کسی کے آگے چھوٹا نہ جانا مگر ابن مدینی کے سامنے" ان کو بھی امام احمد و ابو زرعہ و ابراہیم حربی نے متروک کر دیا ہے۔ مسلم نے اپنی صحیح میں ان سے روایت ہی نہیں کی كمافي الميزان ،تو کیا ان لوگوں کے ترک کرنے سے ان کی حدیث پر دھبہ لگ سکتا ہے؟

غرض کہ امام بخاری کی یہ جرح ہرگز قابل التفات نہیں کیونکہ قطع نظر اس سے کہ مبہم غیر مبین السبب ہے، محض بے سر و پا ہے جو غالباً منافرت مذہبی کی وجہ سے سرزد ہوئی ہے واللہ اعلم بالصواب۔ رہے دار قطنی و ابن جوزی و ابن عدی ان کی حالت سنئے کہ یہ تینوں متشدد فی الجرح تھے۔ دار قطنی اور ابنِ جوزی نے تو بہت سے ایسے لوگوں کو جو صحیح کے راوی ہیں ناحق ضعیف ٹھہرا دیا ہے۔ اور ابنِ عدی نے اپنی "کامل" میں کتنے ثقات پر جرح و قدح کر کے کامل کو ناقص بنا دیا

(۱) یعنی شعبہ جیسے عظیم محدث بھی ان کو خط لکھ کر حدیث بیان کرنے کی اجازت دیتے تھے۔

(۲) نعمان بن ثابت ابو حنیفہ کوفی مولی بنی تیم اللہ بن ثعلبہ، عباد بن عوام، ابن المبارک ہیثم، وکیع، مسلم بن خالد، ابو معاویہ، اور مصری ان سے روایت کرتے ہیں، وہ مرجیہ فرقہ سے تعلق رکھتے تھے، لوگ ان کی رائے اور حدیث کے بارے میں کچھ نہیں کہتے۔

ہے، **علامہ عینی** نے عمدة القاری **شرح صحیح بخاری میں بعد توثیق ومناقب جناب امام کے یہ لکھا ہے** وبھٰذا ظهر لك تحاسد الدارقطني علىٰ أبي حنيفة و تعصبه الفاسد مع أنه ليس لـه مقدار با لنسبة إلىٰ هؤلاء الذين اثنو ا عليه حتى يتكلم في إمام متقدم على هؤلاء في الـدين والتقوٰ ى والعلم وبتضعيفه إياه يستحق هو التضعيف بنفسه مع أنه روى في سننه أحاديث سقيمة ومعلولة ومنكرة وضعيفة وموضوعة واحتج بها مع علمه بذلك (۱)۔ **اور ''بحر العلوم'' نے ''شرح مسلم الثبوت'' میں لکھا ہے**: "فإنه لا اعتداد بقول المتعصب كما قدح الدارقطني في الامام أبي حنيفة بأنه ضعيف في الحديث" (۲)۔**اور ابن جوزی نے جو جناب امام پر جرح کی ہے، اس پر خود سبطِ ابنِ جوزی نے نہایت اپنا استعجاب ظاہر کیا ہے کہ** " مـرآة الزمان" **میں لکھا ہے**: "وليس العجب من الخطيب بانه يطعن في جماعة من العلماء وإنما العجب من الجد كيف سلك أسلوبه وجاء بما هو أعظم منه(۳).

رہا یہ امر کہ علامہ ذہبی نے ضعفاء میں ذکر کیا ہے، اس کا حال سنو کہ وہ میزان الاعتدال حرف الالف میں یوں لکھتے ہیں: "إسمٰعيل بن حماد بن النعمان بن ثابت الكوفي عن أبيه عن جده قال ابن عدى ثلثتهم ضعفاء (۴)۔ **ظاہر ہے کہ ذہبی نے یہ لکھا ہے**

(۱) اس سے امام صاحب کے تئیں دارقطنی کے حسد وتعصب کا قاری کو اندازہ ہوگا، حالاں کہ ان ائمہ کے مقابلہ میں جنہوں نے امام صاحب کی تعریف کی ہے ان کی کوئی حیثیت نہیں کہ انہیں یہ مقام حاصل ہو کہ ایک ایسے شخص کے متعلق جو علم ودین اور ورع وتقویٰ سب میں ان ائمہ سے فائق وبلند ہو، سچی بات ہے کہ امام صاحب کو ضعیف قرار دینے سے خود دارقطنی موردالزام اور ضعیف قرار دئے جانے کے حق دار ٹھہرتے ہیں، علاوہ ازیں انہوں نے اپنی سنن میں بہت سی ضعیف، کمزور، معلول اور نا قابل اعتبار روایات درج کردی ہیں حالاں کہ انہیں ان کی کمزوری کا علم تھا لیکن اس کے باوجود اس سے استدلال بھی کیا ہے۔

(۲) کسی متعصب کے قول کا اعتبار نہیں جیسا کہ دارقطنی نے امام ابوحنیفہؒ کو ضعیف راوی قرار دے کر ان پر جرح کی ہے۔

(۳) خطیب پر تعجب نہیں کہ وہ تو علماء کی ایک جماعت کو قابل اعتبار قرار دیتے ہی رہتے ہیں، حیرت تو دادا نانا پر ہے کہ ان کا اسلوب انہوں نے کیسے اپنالیا اور ایسی بات کہہ دی جو ان کے شایان شان نہیں۔

(۴) یعنی اسماعیل بن حماد نے ابوحنیفہؒ کا سلسلہ غیر معتبر ہے اور تینوں ضعیف ہیں۔

کہ ابن عدی نے یہ کہا ہے کہ اسمعیل اور ان کے باپ حماد اور حماد کے باپ نعمان بن ثابت تینوں ضعیف ہیں، اس سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ ذہبی کے نزدیک بھی ضعیف ہیں کیونکہ خود میزان الا عتدال کے دیباچے میں انہوں نے لکھ دیا ہے "وفيه من تكلم فيه مع ثقته و جلا لته بأدنى لين وبأقل جرح فلو لا أن ابن عدى أو غيره من مؤلفى كتب الجرح ذكروا ذلك الشخص لما ذكرته لثقته" . یعنی اس میزان الاعتدال میں وہ لوگ بھی ہیں جو باوجود ثقہ اور جلیل الشان ہونے کے ادنی لین اور اقل جرح کی وجہ سے ان میں کلام کیا گیا ہے اور اگر ابن عدی وغیرہ مولفین کتب جرح ان کو ذکر نہ کرتے تو میں ان کے ثقہ ہونے کی وجہ سے ہرگز ان کو اس "كتاب الضعفاء" میں ذکر نہ کرتا۔ اس قول سے اوّلا یہ بات صاف ثابت ہے کہ ابن عدی کو جرح میں تشدد تھا کہ بہت سے ثقہ کی تضعیف کی ہے۔

اسی واسطہ میں کہتا ہوں کہ جب تعدیل وتوثیق ثابت ہے تو ابن عدی کی جرح قابلِ التفات نہیں۔ "ثانیاً" یہ بھی ظاہر ہوگیا کہ ابنِ عدی کی جرح نقل کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ ذہبی کے نزدیک بھی جناب امام ضعفاء سے ہوں۔ میں کہتا ہوں کہ جنابِ امام عالی مقام علامہ ذہبی کے نزدیک ہرگز ضعیف نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ میزان میں ابنِ عدی کا حوالہ دیا ہے، دلیل یہ ہے کہ انہوں نے "تذہیب" میں جناب امام کا ترجمہ کئی صفحے میں لکھا ہے اور نہایت دھوم دھام سے توثیق نقل کی ہے، اور ایک جملہ بھی تضعیف کا نقل نہیں کیا ہے اور سب سے آخر میں یہ لکھا ہے: "قلت قد أحسن شيخنا أبو الحجاج حيث لم يورد شيأ يلزم منه التضعيف"۔ یعنی "اب میں کہتا ہوں کہ میرے استاد ابوالحجاج مزی نے خوب کیا کہ تہذیب الکمال میں کوئی شے ایسی ذکر نہیں کی جس سے امام ابوحنیفہ کی تضعیف لازم آتی ہو"۔

اب ذرا انصاف سے ملاحظہ ہو کہ ایک تو تعریف کے ساتھ توثیق کے الفاظ لکھے۔ دوسرے تضعیف کا ایک لفظ بھی ذکر نہیں کیا۔ تیسرے آخر میں آ کے ان کے استاد علامہ مزی نے جو تضعیف کا کوئی کلمہ ذکر نہیں کیا اس کو اچھا کہا جس سے اظہر من الشّمس ہے کہ بعضوں نے جو

تضعیف کی ہے وہ نقادفن علامہ ذہبی کو پسند نہیں۔ پس ان طاعنین کا قول جنہوں نے نہایت فخر کے ساتھ لکھا ہے کہ ذہبی نے ضعفا میں ذکر کیا ہے ہباءً منثور کی طرح اُڑ گیا۔ اوراگر کوئی یہ کہے کہ میزان الاعتدال کے حرف النون میں ہے: "النعمان بن ثابت بن زوطی أبو حنیفة الکوفی إمام أهل الرای ضعفه النسائی من جهة حفظه وابن عدی وآخرون الخ" (۱) اس میں نسائی کی جرح مذکور ہے اور جرح بھی کیسی کہ مبین ومفسر نہ مبہم، اس کا جواب یہ ہے کہ قطع نظر اس سے کہ نسائی کو حافظ ابن حجر نے متشددین ومتساہلین سے شمار کیا ہے یہ عبارت قطعًا الحاقی ہے اصل میزان الاعتدال میں ہرگز نہیں، کیونکہ "اوّلاً" بعض نسخ صحیحہ میں اس عبارت کا وجود ہی نہیں، اسی وجہ سے صاحب مطبع نے چھپے ہوئے نسخے میں اس عبارت کو حاشیہ پر لکھ کر یہ لکھ دیا ہے کہ چونکہ یہ ترجمہ ایک نسخے میں تھا اور دوسرے میں نہ تھا اس وجہ سے میں نے حاشیہ پر درج کر دیا۔ اور مجدد العصر استاذ نا المکرّم مولانا "محمد عبدالحی" محدث لکھنوی مرحوم نے "غیث الغمام" میں لکھا ہے: "ان هذه العبارة لیست لها أثرفی بعض النسخ المعتبرة علیٰ مارأیتها بعینیّ". (۲)

ثانیاً اس ترجمہ کے الحاقی ہونے پر دلیل واضح قاطع عروق شبہات یہ ہے کہ خود علامہ ذہبی نے دیباچۂ "میـــزان الا عتـــدال" میں صاف لکھ دیا ہے کہ میں اس کتاب میں کہ مختص بضعفاء ہے، ان لوگوں کو کہ جن پر ابن عدی وغیرہ نے کچھ بھی جرح کی ہے لکھوں گا مگر صحابہ وائمہ متبوعین جیسے ابوحنیفہ وشافعی وبخاری کا ترجمہ ادباً نہ لکھوں گا، اور کوئی اگر یہ کہے کہ اسمٰعیل بن حماد کے ترجمہ میں تو امام ابوحنیفہؒ کا ذکر ہے تو اسکا جواب یہ ہے کہ وہاں ضمنًا ہے نہ کہ مستقلاً، یوں تو ضمنًا جابجا امام شافعیؒ وبخاریؒ کا بھی اس کتاب میں ذکر آ گیا ہے۔

اب دیباچہ "میزان" کی وہ عبارت جو اس ترجمہ کے الحاقی ہونے پر دال ہے ملاحظہ ہو کہ علامہ ذہبی لکھتے ہیں: "وکذا لاأذکر فی کتابی من الأئمة المتبوعین فی الفروع أحدا لجلالتهم فی الاسلام وعظمتهم فی النفوس مثل أبی حنیفة والشافعی

(۱) امام نعمان بن ثابت اورامام اہل کوفہ نسائی ان کے حافظہ کی وجہ سے ان کو ضعیف قرار دیا ہے۔
(۲) بعض معتبر نسخوں میں تو اس عبارت کا کوئی پتہ نہیں چلتا ہے جیسا کہ میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔

و البخاري الخ'' (۱)۔ اور حافظ عراقی نے شرح الفیہ میں اور علامہ سیوطی نے ''تدریب الراوی'' میں صاف لکھ دیا ہے کہ حافظ ذہبی نے میزان الاعتدال میں نہ تو صحابہ میں سے کسی کو لکھا ہے اور نہ ائمۂ متبوعین میں سے کسی امام کو ذکر کیا ہے، چنانچہ دونوں کی عبارت یہ ہے إلا أنه لم يذكر أحداً من الصحابة و الأئمة المتبوعين۔ پس کما حقہ ثابت ہوگیا کہ وہ ترجمہ الحاقی ہے۔ اکثر ایسا ہوا ہے کہ حاشیے کی عبارت کاتب نے اصل کتاب کا مضمون سمجھ کر داخلِ کتاب کر لی ہے۔ چنانچہ کئی برس ہوئے کہ ''نصب الرّايه'' تخریج زیلعی جو مطبع علوی میں چھپی ہے اس کی جلد اول (ص:۱۵۸) میں کچھ مضمون منسوب بہ ''فتح القدير'' چھپ گیا ہے قطع نظر اس سے کہ اور نسخوں میں اس عبارت کا نام ونشان تک نہیں، تصریحات مؤرخین سے کما حقہ ثابت ہے کہ ابنِ ہمام کی ولادت ''حافظ زیلعی'' مخرج احادیث ہدایہ کی وفات کے بعد ہے (۲) اور محقق ابن ہمام نے جا بجا ''فتح القدیر'' میں حافظ زیلعی کا حوالہ دیا ہے۔ پھر تخریج زیلعی میں کوئی مضمون منسوب بہ ابن ہمام کیونکر ہوسکتا ہے۔ غرض کہ اس عبارت کے الحاقی ہونے میں کچھ شک نہیں۔ (۳)

اب الحاق کی وجہ سنئے کہ جس نسخے سے وہ کتاب منقول ہو کر چھپی ہے اس کے حاشیے پر

(۱) دو سطر قبل اوپر اس عبارت کا مفہوم گزر چکا ہے۔ (ط)

(۲) ابن ہمام مؤلف فتح القدیر کی ولادت بعض ۷۸۸ھ میں اور سیوطی ۷۹۰ھ میں لکھتے ہیں اور ان کی وفات تمام مؤرخین نے ۸۶۱ء میں لکھی ہے اور علامہ کفوی نے ''طبقات الحنفيه'' میں اسی طرح سیوطی وغیرہ نے اپنی تصانیف میں تصریح کی ہے کہ زیلعی مخرج احادیث ''ہدایہ'' کی وفات ۷۶۲ھ میں ہے، ان کا نام عبد اللہ بن یوسف ہے، مؤلف ''الشبع و الری'' نے جو باتباع نواب صاحب بھوپال ان کا نام یوسف بن عبد اللہ لکھا ہے محض غلط ہے۔

(۳) مجھے سخت تعجب ہے مولوی محمد سعید صاحب نومسلم نزیل بنارس سے کہ بے سوچے سمجھے ''الشبع و الری'' میں اس الحاقی عبارت سے زیلعی مخرج احادیث ہدایہ کا ابن ہمام سے قاصر ہونا ثابت کر کے حضرت اُستاد مرحوم نے جو بالعکس لکھا ہے اس پر آپ معترض ہوئے، اور نہایت فخر کے ساتھ جناب مولانا اور ان کے انصار سے اس کا جواب طلب کیا ہے۔ میں نے مانا کہ تصریحات مؤرخین پر نظر نہ تھی مگر فتح القدیر کو تو دیکھ لیا ہوتا، اس میں ابن ہمام نے جا بجا زیلعی کے حوالے دیے ہیں، چنانچہ بحث ''لاشارة بالسبّابة في التشهد'' میں لکھا ہے: فقول الزيلعي في التخريج الخ اور باب الصلوٰة الاستسقاء میں لکھا ہے: فلا يردانه غير صحيح كما قال الامام الزيلعي المخرج اور اسی باب میں یہ بھی ہے قال الزيلعي المخرج ليس كذٰلك پس صاف واضح ہے کہ بنارسی صاحب نے جو یہ زعم کیا ہے کہ ابن ہمام زیلعی سے متقدم ہیں محض غلط ہے اسی طرح ان کی تالیفات میں اور بھی بہت سی باتیں ہیں جو قابل التفات نہیں۔

کسی نے وہ مضمون لکھا تھا، کاتبِ مطبع نے اصل کتاب کی عبارت سمجھ کر داخل کر دیا۔ پس اسی طرح کسی نے میزان الاعتدال کے حاشیے پر امام ابوحنیفہؒ کا ترجمہ لکھا ہوگا، کاتب نے غلطی سے داخل کر دیا ہوگا یا قصداً کسی ناعاقبت اندیش نے وہ عبارت رواج دینے کو ملحق کر دی ہوگی۔ بہر کیف وہ عبارت علامہ ذہبی کی ہرگز نہیں کیونکہ کما حقہ ہم ثابت کر چکے کہ "میزان الإعتدال" میں امام ابو حنیفہؒ کا ترجمہ حافظ ذہبی نے لکھا ہی نہیں ہے۔ اب یہ بھی سن لو کہ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ علامہ ابن جوزی نے "منتظم" میں باسنادہ ابن معین وغیرہ کی جرح نقل کی ہے ان کو چاہیے کہ پورے اسناد لکھ کر ان کی صحت ثابت کریں کہ وہ جروح قابلِ التفات ہوں۔ علامہ ابن جوزی کا تساہل ضرب المثل ہے، بحذفِ اسنادِ منتظم کی عبارت جرح نقل کرنے سے تعدیل پر کچھ حرف نہیں آ سکتا۔

بہت سے لوگ ایسے گزرے ہیں جو خواہ مخواہ امام اعظمؒ سے بغض وحسد رکھتے تھے، ناحق آپ پر افترا پردازیاں کیا کرتے تھے۔ علامہ ابنِ حجر مکی شافعی نے خیرات الحسان میں لکھا ہے: "ولا شك أيضًا أن الإمام أبا حنيفةؓ كان له حسّاد كثيرون في حياته وبعد مماته الخ" (۱) اور "حافظ ابن عبد البر" کا یہ قول بھی نقل کیا ہے: "كان أبو حنيفة يحسد وينسب إليه ماليس فيه ويختلق إليه ما لايليق به"۔ (۲) پس کیا عجب کہ صاحبِ منتظم نے جو اسناد لکھے ہیں ان میں مجاہیل یا وضاع یا اعدائے امام واقع ہوئے ہوں۔ خطیب نے بھی تو تاریخ بغداد میں بعضوں کی جرح نقل کی ہے، مگر ان سے کیا بگڑا؟ دیکھو نقادانِ فنِ رجال حافظ ابن حجر وذہبی ومزی مولف تہذیب الکمال وغیرہ ہم نے ان جروح کو مہملات سمجھ کر کچھ التفات نہیں کیا۔ اور توثیق ابنِ معین کو قابل اعتماد سمجھ کر آپ کا ثقہ ہونا ثابت کر دکھایا۔ پھر جب ایسے ایسے محققین کے نزدیک جنابِ امام عالی مقام حدیث میں ثقہ ہیں تو چند طاعنین وحاسدین اگر حسد وبغض کی وجہ سے ان کو حدیث میں ثقہ نہ تسلیم کریں تو اس سے آپ کی توثیق پر دھبہ نہیں لگ

(۱) اس میں کوئی شک نہیں کہ امام ابوحنیفہؒ کے حاسدین کی بڑی تعداد تھی ان کی زندگی میں بھی اور وفات کے بعد بھی۔
(۲) امام صاحبؒ محسود تھے اور حسد میں ان کی طرف بہت سی باتیں منسوب کر دی جاتیں جو ان کی نہیں ہوتیں، اور نازیبا باتیں گڑھ کر ان کی طرف سے کہی جاتیں۔

سکتا۔ چاند پر خاک ڈالنے سے خاک نہیں پڑتی۔

چوتھی طعن

چوتھی طعن یہ ہے کہ امام صاحب عربی کم جانتے تھے، ابن خلکان نے لکھا ہے: ''فمثل هذا الإمام لايشك في دينه ولا ورعه وتحفظه، ولم يكن يعاب بشئي سوى قلة العربية فمن ذلك ماروى الخ'' یعنی ابوحنیفہ امام کی دینداری اور پرہیز گاری میں کچھ شک وشبہ نہیں کیا جا سکتا ہے، قلت عربیت کے سوا وہ کسی اور بات میں عیب نہیں لگائے گئے''، اور قلیل العربیہ ہونے کے جو وجوہ خیال کئے گئے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ ابوعمرو ابنِ علاء نحوی نے پوچھا کہ قاتل بالمثقل پر قصاص واجب ہے یا نہیں، امام صاحب نے جواب دیا کہ نہیں، اس نے کہا کہ گو حجر منجنیق سے قتل کرے امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا: ''وَ لَوْ قَتَلَهٗ بِاَ بَا قُبَيْسُ'' بابا قبیس کے بدلے بابی قبیس چاہیے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جناب امامؒ عالی مقام کوفے کے رہنے والے تھے اور کوفے کی زبان خود مستند ہے، نحاۃ کوفہ وبصرہ مشہور زمانہ ہیں۔ پس ایک تو اہلِ زبان دوسرے مجتہد اعظم تھے اور اجتہاد بغیر کامل زباندانی کے ممکن نہیں۔ پھر آپ کے حق میں قلت عربیت کی بدگمانی سراسر جہل ونادانی ہے۔ اور لغت مشہورہ کے موافق اگرچہ ابی قبیس چاہیے مگر ابا قبیس بھی درست ہے۔ شراح الفیہ وغیرہم نے لکھا ہے کہ ایک لغت یہ بھی ہے کہ قصر کر کے اب واخ وحم کے آخر میں الف لاتے ہیں اور یہ الفاظ معرب بحرکات مقدرہ ہوتے ہیں جیسے:

إن أبا ها وأبا أبا ها قد بلغا في المجد غايتاها

''جوہری'' نے اس شعر کو'' ابو النجم'' کی طرف منسوب کیا ہے۔ اس میں ابِ اخیر اگرچہ حالتِ جر میں ہے مگر پھر بھی شاعر نے ابا ها کہا اور غايتاها کا قافیہ قرار دیا۔ چونکہ جنابِ امام کا مخاطب نحوی تھا اگر اسکے مبلغِ علم کی رعایت سے لغتِ مشہورہ کو چھوڑ کر یہ لغت اختیار کیا تو محل طعن کیا ہے۔ اور اگر بالفرض محض غلط ہے تو بھی اس سے قلیل العربیۃ ہونا سمجھا نہیں جاتا۔ کیونکہ جو لوگ افصح الفصحاء ہوتے ہیں ان کی زبان سے بھی کبھی نہ کبھی جلدی میں کچھ کا کچھ نکل جاتا ہے،

اس سے ان کی زباندانی پر حرف نہیں آسکتا۔

پانچویں طعن

پانچویں طعن یہ ہے کہ لوگوں نے امام صاحب کو مرجیہ میں شمار کیا ہے امام بخاری نے بھی "کان مرجیاً" لکھا ہے۔ اور مرجیہ بہتّر فرقوں میں ایک فرقۂ ضالہ دائرہ اہل سنت سے خارج ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ معاذ اللہ اگر دائرۂ اہلِ سنت سے خارج ہوتے تو جمہور علمائے اہلِ سنت ہرگز ان کو ائمۂ دین میں سے شمار نہ کرتے۔ ہرگز ہرگز جنابِ امام عالی مقام مرجیۂ ضالہ سے نہ تھے، یہ لوگوں کا محض اتہام ہے، اللہ تعالیٰ جل شانہ ہر مومن کو ایسے خیال خام بدانجام سے محفوظ رکھے۔

مرجیہ ضالہ کا اعتقاد یہ ہے کہ معرفت اور اقرار لسانی کا نام ایمان ہے، تصدیق جنانی کچھ ضرور نہیں، مومن کو گناہوں سے کچھ ضرر نہیں ہوتا، معاصی معاقب نہ ہوگا۔ اور عذاب وثواب سیّئات وحسنات پر مرتب نہیں ہوتے جس طرح اہل سنت والجماعت اس اعتقاد فاسد کے خلاف ہیں، جناب امام عالی مقام بھی مخالف ہیں، مرجیہ کے قول کو رد کرتے ہیں۔ چنانچہ "فقہ اکبر" میں فرماتے ہیں: "لا نقول حسناتنا مقبولة و سيّئاتنا مغفورة كقول المرجية ولكن نقول من عمل عملاً حسنًا بجميع شرائطها خالية عن العيوب المفسدة ولم يسطها حتٰى يخرج من الدنيا مومنا فان الله تعالى لا يضيعها بل يقبلها منه ويثيبه عليها" (۱)۔ رہی یہ بات کہ بعضوں نے جنابِ امام کو مرجی کہا ہے اس کا سبب یہ ہے کہ "غسان بن ابان" مرجی اپنے مذہب کی ترویج کے لیے مرجیوں کے مسئلے جناب امام کے طرف جھوٹ منسوب کر دیا کرتا تھا اور آپ کو بھی مرجیہ میں شمار کرتا تھا۔ "علامہ عبدالکریم شہرستانی" نے "ملل ونحل" میں لکھا ہے: "ومن العجب ان غسان

(۱) ہم یہ نہیں کہتے کہ ہماری نیکیاں مقبول اور برائیاں بھی بخش دی جائیں گی جیسا کہ مرجیہ کا کہنا ہے، بلکہ ہمارا قول یہ ہے کہ جس نے اچھا عمل اپنے تمام شرائط کے ساتھ کیا اور وہ اعمال مفسد عیوب سے خالی ہیں، اس کو آگے نہیں بڑھایا یہاں تک کہ دنیا سے ایمان کی حالت میں رخصت ہوا تو اللہ تعالیٰ ان اعمال ضائع نہیں فرمائے گا بلکہ انہیں قبول کر کے ان کا اجر عطا فرمائے گا۔

كان يحكى عن أبى حنيفة مثل مذهبه ويعده من المرجية"۔ (۱)

غرض کہ جناب امام عالی مقام پر ارجاء کا اتہام لگایا گیا ہے، علامہ ابن اثیر جزری نے جامع الاصول میں لکھا ہے: ''وقد نسب اليه وقيل عنه من إلا قاويل المختلفة التى يجل قدره عنها وبتنزّه منها من القول بخلق القراٰن والقول بالقدر والقول بالإرجاء وغير ذلك مما نسب إليه ولا حاجة إلى ذكرها ولا إلىٰ ذكر قائلها، والظاهرا نه كان منزها عنها'' **یعنی ''امام ابوحنیفہؒ کی طرف چند اقوال مختلفہ جن سے ان کی کسر شان ہوتی ہے منسوب کئے گئے ہیں جیسے وہ خلقِ قرآن کے قائل تھے، قدری تھے مرجی تھے۔ اسی طرح اور اقوال بھی ان کی طرف منسوب کیے گئے ہیں جن کے ذکر کی کچھ حاجت نہیں اور نہ اس کی کچھ ضرورت ہے کہ کہا جائے کہ کس نے منسوب کیا ہے اور ظاہر ہے کہ وہ ان باتوں سے بالکل منزہ تھے''۔**

دوسری وجہ یہ تھی کہ مرجیہ دو قسم کے ہیں ملعونہ و مرحومہ، مرجیۂ مرحومہ وہ اہل سنت ہیں کہ کسی فریق نے اپنے مقابل میں ان کو اس لقب سے نامزد کیا ہے۔ صدر اول میں معتزلہ اہل سنت کو مرجیہ کہا کرتے تھے۔ اسی طرح وہ اہل سنت جو اس کے قائل ہیں کہ اعمال بھی جزء ایمان ہیں ان میں سے بعض ان لوگوں کو جو اعمال کو جزو ایمان نہیں جانتے بوجہ تاخیر اعمال عن الایمان مرجیہ کہتے تھے کیونکہ ارجاء کے معنے تاخیر کے ہیں۔ چونکہ جنابِ امام بھی اعمال کو جزو ایمان نہیں جانتے لہٰذا بعض آپ کو بھی مرجی کہہ اٹھے، مگر اس کہنے سے کچھ بگڑتا نہیں، کیونکہ اس قسم کا ارجاء ضلالت کی قسم سے نہیں، جس نے توہین و تضلیل کی راہ سے ایسے لوگوں کو جو اعمال کو جزو ایمان نہیں جانتے مرجی کہا ہے اس کی سراسر نادانی اور محض جہالت ہے، محققین نے خوب اس کی لے دے کی ہے۔ ''ابوشکور سالمی'' نے اپنی ''تمہید'' میں لکھا ہے: "ثم المرجية علىٰ نوعين مرجية مرحومة وهم أصحاب النبى ﷺ و مرجية ملعونة وهم الذين يقولون بان المعصية لا تضر والعاصى لا يعاقب" ۔ **اور امام ذہبی نے** "ميزان الا عتدال" **(ص: ۴۷۰) مسعر بن**

(۱) حیرت ہے کہ غسان نے اپنے مسلک کی تائید کے لئے امام ابوحنیفہؒ کی طرف منسوب کر کے اس طرح کی باتیں کہیں اور ان کو مرجیہ میں شمار کیا۔

کدام کے ترجمے میں لکھا ہے: ''ولا عبرة بقول السليماني، كان من المرجية مسعر وحماد بن أبي سليمان والنعمان (أبو حنيفة) وعمرو بن مره وعبد العزيز بن أبي رواد وأبو معاوية وعمرو بن ذر وجماعةً، قلت الأرجاء مذهب لعدة من اجلة العلماء لا ينبغي التحامل على قائله''۔

دیکھو سلیمانی نے جوان لوگوں کو مرجیہ کہا اس کی نسبت امام ذہبی نے کیا کچھ خبر لی اور سخت تعجب تو یہ ہے کہ مؤلف(۱) "الا جوبة الفاخرة الفاضلة" (۲) (ص:۳۱) نے جناب امام کے حق میں یہ لکھ دیا ہے کہ سرخیل اولیا نے "غنية الطالبين" میں ان کو منجملۂ مرجیہ کے گنا ہے، حالانکہ "غنية" میں اس کا نام ونشان تک نہیں، یہ محض اتہام وافترا ہے۔ البتہ حضرت شیخ قدس سرہ نے مرجیہ کے فرقوں میں غسانہ کی جگہ حنفیہ لکھا ہے جس کی وجہ سے جہلاء وسفہاء طعنہ کرتے ہیں کہ بڑے پیر نے حنفیہ کو فرقۂ ضالہ سے گنا ہے۔ حالانکہ خود حضرت شیخ علیہ الرحمہ نے آگے چل کے حنفیہ کا مطلب یوں بیان کیا ہے: ''أما الحنفية فهم بعض اصحاب أبي حنيفة النعمان بن ثابت زعموا أن الايمان هو المعرفة والإقرار بالله ورسوله وبما جاء به من عنده جملةً علىٰ ماذكره البرهوتي في كتاب الشجرة''. (۳)

اس عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ ان بعض اصحاب ابی حنیفہ کو مرجیۂ ضالہ میں شمار کیا ہے جو صرف معرفت اور اقرار کو ایمان کہتے ہیں۔ نہ ان مقلدین جنابِ امام کو جن کے نزدیک تصدیق قلبی ایمان کے لیے لازم ہے۔ بہت سے لوگ ایسے گذرے ہیں کہ فروعات میں حنفی تھے اور عقائد میں معتزلی۔ جیسے صاحبِ کشاف وصاحب قنیہ وجُبّائی وغیرہ ہم یا مرجیہ تھے جیسے غسانِ کوفی اور اس کے اتباع پس بعض اصحاب ابی حنیفہ کے معتزلی یا مرجی ہونے سے یہ کہاں نکلتا ہے کہ نعوذ باللہ کل حنفیہ معتزلہ یا مرجی ہیں؟ المختصر جس نے یہ لکھا ہے کہ "غنية" میں امام ابوحنیفہ کو

(۱) یعنی مولوی محمد علی ساکن قصبہ مئو، ضلع اعظم گڈھ

(۲) اس رسالہ کے رد میں میرا ایک مستقل رسالہ ''مقالہ کاملہ'' نامی شائع ہو چکا ہے۔

(۳) ''مرجیہ کی دو قسمیں ہیں: مرجیہ مرحومہ جو صحابۂ کرام ہیں، اور مرجیہ ملعونہ، یہ وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ معصیت کا کوئی نقصان نہیں ہوسکتا، اور نہ گناہ گار کو سزا ملے گی''۔ اس سے قبل کی غیر مترجم عبارتوں کا بھی یہی مفہوم ہے۔ (ط)

مرجیہ ٹھہرایا ہے اس کی محض جہالت اور سراسر نادانی ہے۔ بلکہ محبوب ربانی شیخ جیلانیؒ نے مرجیہ میں حنفیہ کو ذکر کیا ہے نہ امام ابوحنیفہؒ کو، اور حنفیہ سے ان کی مراد غسانیہ ہے جو مرجیۂ ضالہ کے بارہ فرقوں میں سے ایک فرقہ ہے، کما مر آنفاً.

چھٹی طعن

چھٹی طعن یہ ہے کہ امام سفیان ثوری نے امام صاحب کے حق میں سخت وسست کہا ہے جس کا ذکر بخاری وغیرہ نے اپنی تواریخ میں کیا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ سفیان ثوری کے زمانے میں نعمان کئی شخصوں کا نام تھا جن میں بعضے تو متہم بالوضع ہیں اور بعض قدری اور بعض مجاہیل سے ہیں، اس طرح ابوحنیفہ بھی کئی شخصوں کی کنیت تھی، اور یہ بھی ثابت ہے کہ امام ابوحنیفہ اور امام سفیان ثوری میں منازعت رہا کرتی تھی۔ اور ظاہر ہے کہ جب آپس میں کسی قسم کی مخاصمت ہوتی ہے تو ایک دوسرے کو مقتضائے بشریت بہت کچھ کہہ جاتا ہے۔

بس جہاں کہیں دلیل سے ثابت ہو جائے کہ لفظ نعمان یا ابوحنیفہ سے مورخین کو دھوکا نہیں ہوا بلکہ فی الواقع امام سفیان ثوری نے امام اعظم ہی کے حق میں کہا ہے تو منافرت مذہبی کی وجہ سے امام ثوری کا وہ قول قابل التفات نہیں کیونکہ محققین محدثین نے صاف لکھ دیا ہے کہ ایک ہمعصر کا طعن دوسرے معاصر کے حق میں بصورت منافرت ومخاصمت مقبول نہیں ہوتی، دیکھو علامہ ''تاج سبکی'' نے طبقات کبریٰ میں لکھا ہے:

"قد عرفناك أن الجارح لا يقبل منه الجرح وإن فسره فـي حـق من غلبت طاعاته علىٰ معاصيه وما دحوه على ذاميه ومـزكوه علىٰ جارحيه إذا كانت هناك قرينة يشهد العقل بأن مثـلهـا حـامل على الوقيعة فيه من تعصب مذهبى أو مناقشة دنيـوية كـمـا بين النظراء وغير ذلك وحينئذ فلا يلتفت لكلام الثـورى وغيـره فـي أبـى حـنيفة وابن ابى ذئب وغيره فى مالك وابـن معين فى الشافعي والنسائى فى أحمد ابن صالح ونحوه،

ولو أطلقنا تقديم الجرح لما سلم لنا أحد من الأئمة إذ ما من
إمام إلا وقد طعن فيه طاعنون وهلك فيه هالكون". (۱)

المختصر جناب امامؒ پر جتنے جروح کیے گئے ہیں وہ سب مہملات سے ہیں، ہرگز قابلِ التفات نہیں، کیونکہ اکثر جروح تو مبہمہ ہیں، اگر ایک آدھ جرح مفسر بھی ہے تو مخاصم ومتنافریا متشدد ومتساہل کی ہے اور اصول حدیث میں محقق ہو چکا ہے کہ یہ سب جروح تعدیل وتوثیق کے مقابلے میں مقبول نہیں، اگر ہر جرح تعدیل پر مقدم ہو جائے تو امام مالک وشافعی وبخاری وغیرہم بھی پایۂ اعتبار سے ساقط ہو جائیں، کیونکہ یہ لوگ بھی جرح سے نہیں بچے ہیں۔

مسلمانو! جائے انصاف ہے کہ جنابِ امام عالی مقام کو مرجی وغیرہ بنانا سب وشتم نہیں ہے تو کیا ہے؟ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "لا تقوم الساعة حتى يلعن آخر هـذه الامة اولهـا"۔ یعنی قیامت قائم نہ ہوگی جب تک اس امت کے پچھلے لوگ اگلوں کو لعن وطعن نہ کریں گے۔ شیعہ تو سبِّ شیخین کرتے ہی تھے، سنّیوں میں بھی بعض ایسے متعصب پیدا ہوئے کہ جناب امام کو خواہ مخواہ برا بھلا کہنے لگے۔ یہ لوگ جواب کیا معقول دیتے ہیں کہ جرح اگر سب وشتم ہے تو اگلے علماء کیوں مرتکب ہوئے، کتب اسماء الرجال میں تو جا بجا جرح وقدح موجود ہے۔ افسوس یہ لوگ اتنا نہیں خیال کرتے کہ ان لوگوں کی نیت صاف تھی جو کچھ ان کو معلوم ہوا اپنے منصب کے موافق لکھ گئے۔ جب ان کے بعد علماء نے وہ جروح اٹھا دیئے اور حق ثابت کر دیا پھر بھی آنکھیں بند کر لینا اوران پر طعن کرنا یعنی چہ؟

(۱) ہم آپ کو بتا چکے ہیں کہ جارح کی جرح اگر واضح بھی ہو تب بھی ان لوگوں کے حق میں قابل قبول نہیں جن کے طاعات ان کے معاصی پر اور جن کے تعریف کرنے والے ان کی مذمت کرنے والوں سے زیادہ ہوں اور ان کی سچائی کی سعادت دینے والوں کی تعداد برابر کہنے والوں سے زیادہ ہو، اگر کوئی ایسا قرینہ ہو جس کے باب میں عقل یہ کہے کہ اس طرح کی باتیں کسی مسلکی تعصب یا دنیوی اختلاف کا نتیجہ ہیں جیسا کہ ہم عصروں اور ہم چشموں کے درمیان عام طور پر ہوتا ہے، چنانچہ اس بنا پر ثوریؒ نے ابوحنیفہؒ اور ابن ابی ذئب کے بارے میں جو کچھ کہا ہے وہ بالکل قابل التفات نہیں، اس طرح کسی دوسرے نے امام مالک کے بارے میں، ابن معین نے امام شافعیؒ کے متعلق اور نسائی نے احمد بن صالح کے سلسلہ میں جو کچھ کہا ہے وہ بھی قابل توجہ نہیں، اگر ہم جرح کو تعدیل پر مقدم رکھنے میں کوئی شرط نہ لگائیں اور اسے مطلق رکھیں تو پھر کوئی بھی امام اس سے محفوظ نہیں رہ سکے گا کیوں کہ سب کے متعلق برا کہنے والوں نے کچھ الزامات عائد کیے ہیں۔

علامہ ابن حجر مکی شافعی نے خیرات الحسان میں لکھا ہے: "قال الحافظ عبد العزیز بن رواد من أحب أبا حنیفة فهو سني ومن أبغضه فهو مبتدع، وفي رواية، بيننا وبين أهل البدعة أبو حنيفة فمن أحبه وتولاه علمنا أنه من أهل السنة ومن أبغضه علمنا أنه من اهل البدعة" یعنی "حافظ عبد العزیز بن رواد نے کہا ہے کہ جس نے ابوحنیفہ کو دوست رکھا وہ سنی ہے اور جس نے ان سے بغض رکھا وہ مبتدع ہے۔ اور ایک روایت میں یہ ہے کہ ہمارے اور اہلِ بدعت کے درمیان ابوحنیفہؒ ہیں جو ان سے محبت رکھتا ہے ہم سمجھتے ہیں کہ وہ اہلِ سنت سے ہے اور جو ان سے بغض رکھتا ہے تو ہم جانتے ہیں کہ وہ اہل بدعت سے ہے"۔ اور اسی خیرات الحسان میں یہ بھی لکھا ہے:

"قد جهد كثيرون ممن تعرضوا للسهام الفظيعة وتحلوا بالصفات القبيحة القطيعة على أن يحطوا من مرتبة هٰذا الإمام الأعظم والحبر المقدم ويصرفوا قلوب أهل عصره ومن بعد هم عن محبته وتقليده واتباعه واعتقادِ عظمته وإمامته، فما قدروا علىٰ ذلك. ولا يفيد كلامهم فيه في سلك من المسالك وليس ذلك إلا لأن أمره سماوي لا حيلة لأحدٍ في رفعه، ومن يرفعه الله تعالىٰ ويعطيه من خزائنه الواسعة لايقدر أحد علىٰ خفضه ولا منعه". (۱)

بہرکیف امام اعظمؒ ایک عرصے تک اطمینان سے کوفے میں رہے۔ یزید بن عمر بن ہبیرہ والی عراق نے ان کی جلالتِ قدر دیکھ کر اپنے بیت المال پر ان کو مقرر کرنا چاہا، آپ نے انکار کیا تو

(۱) بہت سے لوگوں نے جو خود بدنام زمانہ اور برے اوصاف متصف تھے یہ کوشش کی ہے کہ اس امام اعظم اور علامہ زمن کی طرف سے لوگوں کی توجہ ہٹا دے اور اپنے اہل زمانہ اور بعد کے لوگوں کو ان کی حمیت ان کی اتباع اور تعلق سے برگشتہ کرے اور ان کی عظمت وجلالت شان کا تصور لوگوں کے دلوں سے نکال دے، لیکن ان تمام کوششوں کے باوجود بھی وہ کامیاب نہیں ہوسکے، اور ان کی باتیں کہیں نہیں سنی گئیں، اس لیے ان کی مقبولیت آسمانی ہے، کوئی اسے ختم نہیں کرسکتا، جس کو اللہ بلند کرنا چاہے اور اپنے خزانہ سے عطا فرمائے کوئی نہ اسے روک سکتا ہے، نہ اس کا مرتبہ گھٹا سکتا ہے۔

اس نے کئی کوڑے مارے پھر عہدۂ قضا کا کام ان سے لینا چاہا، چونکہ عہدۂ قضا ایک امر اہم ہے، پھونک پھونک کے قدم رکھنا ہوتا ہے، بات بات میں گناہ کا خوف لگا رہتا ہے اور جسکی نسبت آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: "من جعل قاضيا فقد ذبح بغير سكين[1]. (رواه أحمد وأبو داؤد والترمذی)۔

جناب امامؒ نے عہدۂ قضا سے بھی انکار کیا۔ ''ابن ہبیرہ'' نے قسم کھائی کہ بغیر قبول کرائے میں ہرگز نہ چھوڑوں گا، آخر قید خانے میں محبوس کیا اور ہر روز دس کوڑے لگانے کا حکم دیا، ایک عشرہ گزر گیا، کوڑوں کی مار سے سر پھول گیا، حالت تباہ ہوگئی، خواب میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن ہبیرہ کی تہدید کی اور لوگوں نے اس سے ان کی حالتِ زار بیان کر کے سفارش کی، اس نے کہا کہ میں نے قسم کھائی ہے، انہیں سے پوچھو کہ میرے یمین کا مخرج کیا ہے۔ لوگوں نے جو دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ ابن ہبیرہ اگر مجھ سے مسجد کے دروازے بھی گنوائے تو میں اس کی خاطر سے ہرگز قبول نہ کروں۔ ہاں مجھ کو اگر چھوڑ دے تو میں اپنے احباب سے مشورہ لوں کہ وہ کیا رائے دیتے ہیں۔ ابن ہبیرہ نے غنیمت سمجھ کر رہا کرنے کا حکم دیا۔ آپ کسی سواری پر سوار ہو کر چپ چاپ وہاں سے بھاگے ۱۳۰ھ میں مکۂ معظّمہ پہنچے، امام ''اوزاعی'' پہلے جنابِ امام سے بہت بدگمان تھے، مکہ میں دونوں میں ملاقات ہوئی، چند مسائل میں گفتگو آئی، جنابِ امام نے جوابات شافی دیئے۔ مسئلۂ رفع یدین میں ان دونوں اماموں میں جو مناظرہ مکہ میں ہوا وہ مشہور ہے اور ''مسند حصکفی''، میں باسنادہ مذکور ہے۔

خیرات الحسان میں علامہ ابن حجر مکی شافعی نے لکھا ہے کہ امام اوزاعی نے غیبوبت میں عبداللہ بن مبارک سے فرمایا کہ مجھ کو ان کی کثرت علم اور وفور عقل پر غبطہ آتا ہے، میں خدا سے پناہ مانگتا ہوں اور استغفار کرتا ہوں کہ پیشتر ان کی نسبت میرا خیال محض غلط تھا، ان کے بارے میں جو کچھ مجھ کو خبر پہنچی تھی میں نے ان کو اس کے خلاف پایا۔ جناب امام کئی برس تک مکہ معظّمہ میں مقیم

(۱) یعنی جو قاضی بنایا گیا وہ بغیر چھری کے ذبح ہوگیا۔

رہے، اکثر اوقات حرمِ محترم میں بیٹھ کر لوگوں کو فتوے دیا کرتے ۔علامہ عمر بن عبدالوہاب عرضی شافعی نے "فوائد المهمه" میں ابن مبارک کا یہ قول نقل کیا ہے: "رأيت أبا حنيفة في المسجد الحرام يفتي أهل المشرق والمغرب والناس يومئذٍ الناس" (۱) جب خلافت عباسیہ کا زمانہ آیا اور ''ابوجعفر عبداللہ منصور'' خلیفۂ وقت ہوا تو آپ پھر کوفے میں پہنچے، خلیفہ نے جب آپ سے بیعت طلب کی تو آپ نے اس سے یوں بیعت کی "بايعتك إلى قيام الساعة".(۲)

اس جملے میں آپ نے جو نکتہ رکھا تھا لوگوں کا فہم وہاں تک نہ پہنچا، خلیفہ تو خوش ہوا اور لوگ آپ کو ملامت کرنے لگے کہ تم نے اس طرح کیوں بیعت کی، آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں نے ساعت سے مراد کچھ قیامت نہیں لی ہے بلکہ جس ساعت میں میں اس مجلس میں خلیفہ کے سامنے کھڑا تھا وہی ساعت مراد لی ہے، اب میں خلیفہ کے حلقۂ بیعت میں داخل نہیں۔

منصور خاندان عباسیہ سے تھا اور حضرت ''ابن عباس'' حلف یمین کے ساتھ اتصال استثنا کے قائل نہ تھے بلکہ دو ایک روز کے بعد ہی استثنا جائز رکھتے تھے۔ امام ابوحنیفہؒ اتصال کے قائل تھے، ''ربیع حاجب'' جو منصور کا چوبدار تھا، جناب امام سے دشمنی رکھتا تھا، خلیفہ کے ناخوش کرنے کو ایک دن اس نے کہا کہ اے امیر المومنین فلاں مسئلہ یمین میں یہ ابوحنیفہ حضور کے جدا مجد عبداللہ ابن عباس کے مخالف ہیں، ان کی بات نہیں مانتے، جناب امامؒ کچھ اور ہی رنگ دیکھ کر بولے کہ اے امیر المومنین ربیع کی خواہش یہ ہے کہ آپ کے ہاتھ پر بیعت کرنے والوں کی بیعت قائم نہ رہے۔ کہا، کیوں؟ آپ نے فرمایا کہ یمین کے ساتھ اگر اتصال استثناء لازم نہ ہو تو لوگ حضور کے آگے حلف کریں گے، جب گھر پر جائیں گے انشاء اللہ وغیرہ کہہ کے استثناء کر دیں گے، بیعت باطل ہو جائیگی، خلیفہ ہنس پڑا اور ربیع سے کہا کہ تم ان کے پیچھے نہ پڑو، ''منصور'' نے کئی دفعہ آپ کے پاس انعام کے طور پر روپے بھیجے، بعض دفعہ دس ہزار تک کی بھی نوبت آئی مگر

(۱) میں نے ابوحنیفہؒ کو حرم مکی میں اہل مشرق ومغرب کو فتویٰ دیتے ہوئے دیکھا ہے اور اس زمانہ کے لوگ تو لوگ ہی تھے۔
(۲) میں نے تم سے قیامت تک کے لیے بیعت کی۔

آپ نے کبھی کچھ قبول نہ فرمایا اور لطائف الحیل کے ساتھ واپس کرتے رہے اور برابر اپنے مال حلال پر جو تجارت وغیرہ کے ذریعے سے بہم پہنچتا، اسی پر قناعت کرتے رہے۔

ایک دفعہ منصور اور اس کی بی بی میں عدل کے باب میں کچھ جھگڑا پیش آیا، امام ابوحنیفہؒ حکم قرار دے کر طلب کئے گئے اور وہ عورت پردے کی آڑ میں بیٹھی۔ خلیفہ نے آپ سے پوچھا کہ کتنی بیبیاں مرد کے لئے حلال ہیں، آپ نے فرمایا چار، پھر پوچھا لونڈیاں آپ نے فرمایا کہ ان کی کچھ حد نہیں۔ منصور نے کہا کہ آیا کسی کو جائز ہے کہ اسکے خلاف کہے، آپ نے فرمایا کہ نہیں۔ تب منصور نے اپنی زوجہ سے کہا کہ تم سن لو، یہ کیا کہتے ہیں۔ پھر جناب امامؒ نے فرمایا کہ اے امیر المومنین یہ حکم اہل عدل کے لئے ہے، ورنہ ایک ہی بی بی حلال ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ''فَاِنْ خِفتُمْ اَنْ لَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَۃً الخ'' (۱) ہم لوگوں کو چاہیے کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ کے مواعظ پر عمل کریں اور اس کے حکم سے ذرہ برابر باہر نہ ہوں۔ منصور یہ سن کر دم بخود ہو گیا۔ جب جناب امام گھر واپس آئے تو منصور کی بی بی نے آپ کی خدمت میں کچھ تحفہ بھیجا۔ آپ نے واپس فرما دیا اور کہلا بھیجا کہ میں نے حسبۃً للہ وہ مسئلہ بیان کیا ہے کسی کے پاس خاطر سے یا طلب دنیا کے خیال سے میں نے کچھ نہیں بیان کیا ہے کہ تم نے اس کے بدلے میں یہ تحفہ بھیجا ہے۔

اس زمانے میں کوفے کے قاضی ''محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰؒ'' تھے۔ ان سے اور جناب امام سے اکثر اوقات مسائل میں اختلاف ہو جاتا تھا۔ بارہا جناب امام نے ان کو الزام دیا تھا۔ جس کے سبب سے وہ جناب امام سے صاف نہ تھے، ایک دفعہ خلیفہ منصور کے سامنے یہ مسئلہ پیش ہوا کہ اگر کوئی شخص کوئی کپڑا بیچے اور اس میں کوئی عیب ہو تو بائع پر کیا لازم ہے۔ ابن ابی لیلی کا یہ مذہب تھا کہ جب تک بائع اس عیب پر ہاتھ رکھ کر بتا نہ دے بری نہیں ہوسکتا۔ جناب امام اس کے خلاف تھے۔ بہت دیر تک اس میں مناظرہ رہا، آخر جناب امام نے فرمایا کہ اچھا یہ کہو کہ اگر بنی ہاشم میں سے کوئی عورت غلام بیچے اور اس کے عضو خاص کے سر پر برص کی سفیدی ہو تو کیا

(۱) اگر تم کو ڈر ہو کہ عدل نہیں کر سکو گے تو ایک ہی پر اکتفا کرو۔

یہ واجب ہے کہ وہ عورت اس پر ہاتھ رکھ کے بتا دے۔ ابنِ ابی لیلیٰؒ نے کہا کہ ہاں، خلیفہ ہاشمی نسب تھا سن کر بہت خفا ہوا اور قاضی صاحب کو بہت ملامت کی۔ ایک دفعہ جناب امام راستے میں چلے جاتے تھے کچھ لوگ مزامیر بجا رہے تھے جب آپ قریب پہنچے وہ چپ ہو گئے، آپ نے فرمایا کہ أحسنتم یعنی یہ بات بہت اچھی ہے، ابن ابی لیلیٰ نے اس قول کو سن لیا، اس کے بعد جناب امام کسی مقدمے میں ان کے پاس شہادت کے لیے حاضر ہوئے، انہوں نے اسی کلمے کی وجہ سے آپ کی شہادت رد کر دی، آپ نے پوچھا کہ میں نے وہ کلمہ کس وقت کہا تھا آیا بجا رہے تھے یا چپ ہو گئے تھے، ابن ابی لیلیٰؒ نے کہا کہ جب چپ ہو گئے تھے، آپ نے فرمایا سبحان اللہ! جناب میں نے ان کے سکوت پر تحسین کی تھی نہ کہ ان کی تغنی پر۔

ابن ابی لیلی رحمہ اللہ علیہ کا اکثر دستور تھا کہ مسجد میں بیٹھ کر مقدمات فیصل کیا کرتے۔ ایک دفعہ مجلس قضاء برخاست کر کے چلے آتے تھے راستے میں ایک مرد ایک مجنونہ عورت کو پیٹ رہا تھا، اس عورت نے اس کو کہا "یا ابن الزانیین"۔ اس کے ماں باپ دونوں کو زانی بنایا۔ ابنِ ابی لیلی یہ سن کر مسجد میں لوٹ آئے اور اس عورت کو بلوا کر اور مسجد میں کھڑا کر کے دو حدیں جاری کیں۔ جنابِ امام کو جب یہ خبر پہنچی تو آپ نے فرمایا کہ اس مسئلہ میں قاضی نے چھ خطائیں کیں:

(۱) ایک یہ کہ مجنونہ پر حد جاری کی۔
(۲) دوسرے یہ کہ مسجد میں حد قائم کی حالانکہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں حدود قائم کرنے سے منع فرمایا ہے۔
(۳) تیسرے یہ کہ کھڑا کر کے اس کو مارا حالانکہ عورت کو بٹھا کر حد مارنا چاہیے۔
(۴) چوتھے یہ کہ دو حدیں قائم کیں حالانکہ اگر کوئی کلمہ واحد سے چند لوگوں کو تہمت لگائے تو ایک ہی حد قائم کرنا چاہیے۔
(۵) پانچویں یہ کہ اگر دو حدیں جاری کرنی تھیں تو علاحدہ علاحدہ جاری کی

جائیں، کیونکہ جوکوئی دوحدوں کا مستحق ہواس پرایک حد قائم کر کے اس کو چھوڑ دینا چاہیے بعد تندرست ہوجانے کے دوسری حد قائم کرنا چاہیے۔

(۶) چھٹے یہ کہ بغیر مدعی کے قاضی نے حد جاری کردی۔ جب یہ خبر قاضی ابن ابی لیلی کو پہنچی تو خلیفہ سے شکایت کی کہ ابوحنیفہؒ کو بھی یہ امر برا معلوم ہوا، اس نے اس کے سبب سے یہاں تک تشدد کیا کہ فتوے دینے سے بھی آپ کو روک دیا۔ ۱۴۵ھ میں محمد اور ابراہیم پسران عبد اللہ بنِ حسن مثنیٰؒ نے منصور پر چڑھائی کی۔ امام مالک وغیرہ نے جواز خروج کا فتوی دیا تھا، امام ابوحنیفہ بھی درپردہ ان کے ساتھ تھے اور لوگوں کو ان دونوں کی اعانت کی ترغیب دیتے تھے، دھواں دھار لڑائی ہوئی مگر منصور ہی کو فتح نصیب ہوئی، ان دونوں بھائیوں کو اور بہت سے اہل بیت کو اس نے قتل کیا اور ایک جماعت علماء کو جو ان کے ساتھ نکلی تھی بہت ایذا پہنچائی، کسی کو مارا کسی کو قید کیا، کسی کو قتل کیا۔ امام ابوحنیفہؒ چونکہ بظاہر ان کے ساتھ نہ تھے اس وجہ سے اس وقت بچ گئے۔

اتفاق سے ۱۴۸ھ میں قاضی ابن ابی لیلیٰؒ نے قضا کی۔ منصب قضا کے لیے اہل علم منتخب ہونے لگے۔ منصور نے بغداد کو آباد کر کے اس کو دار الحکومت بنایا تھا۔ امام ابوحنیفہؒ اور مسعر بن کدامؒ اور سفیان ثوریؒ اور شریکؒ یہ چاروں حضرات عہدۂ قضا کے لئے تجویز ہوکر بغداد میں طلب کئے گئے۔ امام سفیان ثوری جب بغداد کے قریب پہنچے قضائے حاجت کے بہانے کچھ دور ٹل گئے، ناگاہ ایک کشتی نظر آئی کچھ روپے دیکر ملاح سے کہا کہ مجھے سوار کرلے، اس نے سوار کر لیا اور کشتی وہاں سے روانہ ہوگئی، جو لوگ ان کی حفاظت کے لیے مقرر تھے جب انہوں نے ان کو نہ پایا تو خلیفہ کے خوف سے وہ بھی چل دیئے۔ مسعرؒ نے دربار میں حاضر ہوکر اپنے آپ کو مجنوں ظاہر کیا۔ خلیفہ سے کہا کہ ذرا ہاتھ لاؤ مزاج کیسا ہے، تمہارے لڑکے کے چار پائے کیسے ہیں۔ منصور نے کہا کہ اس کو نکالو یہ تو دیوانہ ہے۔ امام اعظم ابوحنیفہؒ سے جو منصب قضا اختیار کرنے کو کہا گیا تو

آپ نے انکار فرمایا، ادھر سے بہت اصرار ہوا مگر آپ برابر انکار ہی کرتے چلے گئے اور فرمایا کہ میں قضا کے قابل نہیں، میں رضا کی حالت میں تو اپنے نفس پر قادر نہیں پھر غضب کی حالت میں کیوں کر قادر ہو سکتا ہوں۔ خلیفہ نے کہا کہ تم جھوٹ کہتے ہو، جنابِ امام نے فرمایا کہ اگر میں جھوٹ کہتا ہوں تو جھوٹے کو قاضی بنانا سزاوار نہیں اور اگر سچ کہتا ہوں تو پھر کیوں تکلیف دی جاتی ہے۔ ایسے شخص کو جو قضا کے کام کا نہ ہو، اس کو منصب قضا پر مامور کرنا کب روا ہے؟ جنابِ امام نے ایسی معقول تقریر کی کہ خلیفہ بند ہو گیا اور کچھ اس سے جواب نہ ہو سکا۔ خلیفہ نے پھر شریکؒ سے کہا، انہوں نے بھی انکار کرنا چاہا۔ خلیفہ نے کہا کہ دیکھو ایک تمہیں رہ گئے ہو، تم انکار نہ کرو۔ شریک نے کہا کہ اے میر المومنین مجھ کو نسیان اور بلادت فہم کا عارضہ ہے میں کس طرح قبول کروں۔ منصور نے کہا کہ تم لبان چبایا کرنا اور قبل اس کے کہ مجلس قضا میں بیٹھنا فالودہ کھا لیا کرنا۔ غرض کہ شریک کا کوئی عذر مسموع نہ ہوا، آخر ان کو منصبِ قضا اختیار کرنا پڑا۔ امام ابوحنیفہؒ سے خلیفہ ایک تو پہلے ہی سے بدگمان تھا، دوسرے اس کی بات رد کر دی اور اپنی تقریر معقول سے اس کو ساکت کر دیا، وہ ان سے سخت برہم ہو گیا اور قید کرنے کا حکم دیا۔ آخر قید خانے میں محبوس ہوئے۔ دو ڈھائی برس قید رہے۔

اس اثناء میں منصور کی طرف سے کئی دفعہ حکم بجالانے کی تحریک کی گئی مگر آپ برابر انکار ہی کرتے رہے جس سے اور بھی اس کا رنج بڑھتا گیا اور حسّاد نے نمک مرچ لگا کے اس کی آگ اور بھی بھڑکا دی، تب حکم دیا کہ ہر روز قید خانے سے نکال کر سر بازار دس کوڑے لگائے جائیں، اس روز سے کھانے پینے میں سختیاں ہونے لگیں، ہر روز کوڑے پڑنے لگے، ایک عشرہ یوں ہی گذر گیا۔ بدن کی کھال جا بجا سے ادھڑ گئی، جسم مبارک سے خون بہنے لگا۔ اہلِ دنیا کے ہاتھوں اکثر بزرگان دین نے سختیاں جھیلی ہیں، اذیتیں اٹھائی ہیں۔ امام احمد بن حنبلؒ مسئلہ خلق قرآن کی بابت جب محبوس زنداں ہوئے اور ان پر مار پڑتی تو امام ابوحنیفہؒ کا واقعہ یاد کر کے اپنی مصیبت بھول جاتے اور ان پر رحم کھاتے۔ سبحان اللہ یہ لوگ ایسے ہی تھے کہ دوسرے کے غم کو یاد کر کے اپنی مصیبت بھول جاتے تھے۔

حال وفات امام ابوحنیفہؒ

بہر کیف حبسِ سجن وضربِ اسواط کی وجہ سے جنابِ امام کی حالت تنگ ہو ہی رہی تھی، اس پر ستم یہ ہوا کہ دشمنوں نے زہر کا پیالہ بھی پلا دیا۔ جب امام ابوحنیفہؒ نے اپنی حالت متغیر دیکھی تو سمجھے کہ منصب قضاء کے بدلے قضا سر پر ہے، آپ سجدے میں گئے اور اسی حالت میں روحِ مبارک اعلیٰ علیین کو پرواز کرگئی۔ ۸۰ھ میں آپ کی ولادت ہوئی تھی ۱۵۰ھ میں جس سال امام شافعی پیدا ہوئے بقول مشہور رجب کے مہینے ۷۰ ستر برس کی عمر میں قید خانۂ بغداد میں انتقال فرمایا۔ إنا للّٰه وإنا إلیه راجعون۔ ہر چند قید خانے میں مصیبتیں اٹھاتے تھے مگر کبھی ذکر الٰہی سے غافل نہ ہوئے۔ قرآن برابر پڑھا کرتے تھے۔ لوگوں نے لکھا ہے کہ وہاں سات ہزار ختم کرنے کا آپ کو اتفاق ہوا۔ ''ذہبی'' کے استاذ الاستاذ ''امام نووی شافعی'' نے ''تهذيب الأسماء'' میں لکھا ہے ''حفظ عليه أنه ختم القراٰن فى الموضع الذى توفى فيه سبعة الاف مرةً'' (۱)۔ اس مضمون کو امام شعرانی شافعی نے ''طبقات کبریٰ'' میں اور دیگر علما نے اپنی تصانیف میں لکھا ہے اور بعضوں نے جو سات ہزار کے بدلے ستر ہزار کہہ دیا ہے، اس کی نسبت امام ذہبی نے تذہیب التہذیب (۲) میں لکھا ہے ''هذه حكاية منكرة وفى رواتها من لا يعرف''۔

بہر کیف جنابِ امام عالی مقام ظلمًا محبوس ومسموم ہو کر واصل باللہ ہوئے، جس کے سبب سے شہادت کا درجہ بھی آپ کو نصیب ہوا۔ جب آپ کی وفات کی خبر بغداد میں مشہور ہوئی تو لوگ آئے، قید خانے سے لاش باہر نکالی، حسنؒ بن عمارہ جو اس وقت بغداد کے قاضی اور آپ کے شیخ بھی تھے غسل دیا، اور ابو رجاء عبداللہ بن واقد نے پانی بہایا، ''تهذيب الكمال'' وغیرہ میں

(۱) آپ کے متعلق یہ روایت مقبول ہے کہ جس جگہ آپ کی وفات ہوئی وہاں آپ نے سات ہزار مرتبہ قرآن پاک ختم کیا تھا۔
(۲) یہ کتاب نہایت ہی نایاب ہے عرب کے بھی اکثر نامی کتب خانے اس سے خالی ہیں مجھے ایسے وقت میں مل گئی کہ اس کی سخت ضرورت تھی۔ فالحمد للہ علیٰ ذٰلک۔

لکھا ہے کہ جناب امام کے پوتے شیخ اسمٰعیل نے اپنے باپ حماد سے روایت کی ہے کہ حسن بن عمارہ جب غسل دے چکے تو بولے "رحمك الله وغفر لك، لم تفطر منذ ثلاثين سنة ولم تتوسد يمينك بالليل منذ أربعين سنة". (۱) جب غسل وکفن سے لوگ فارغ ہوئے تو بعد نماز ظہر آپ کا جنازہ باہر نکالا گیا، لوگوں کا ایک از دحام تھا۔ حسن بن عمارہ نے ''باب الجسر'' میں نماز جنازہ پڑھائی، پچاس ہزار سے زیادہ مسلمان نماز میں شریک تھے، لوگوں کی اس قدر کثرت ہوتی جاتی تھی کہ چھ بار اس جنازے پر نماز پڑھی گئی۔ آخر میں جناب امام کے بیٹے ''حماد'' نے نماز پڑھی، اور عصر کے بعد خیزران کے گورستان میں جو شہر بغداد سے پورب جانب مائل بشمال واقع تھا مدفون کئے گئے، بعد دفن کے خلیفہ منصور بھی قبر مبارک پر آیا اور نماز پڑھی

مرنے کے بعد آئے ہیں رونے مزار پر

خیرات الحسان میں لکھا ہے کہ عبداللہ بن مبارک نے جناب امام کی قبر پر کچھ ٹھہر کے یہ کہا کہ اللہ تعالی آپ پر رحم کرے، ابراہیم نخعیؒ اور حماد بنؒ ابی سلیمان آپ کو اپنے عوض چھوڑ کر مر گئے تھے اور آپ نے جو فوت کیا تو کسی کو روئے زمین پر اپنا خلیفہ نہ چھوڑا۔ اور حسنؒ بن عمارہ نے آپکی قبر پر کہا کہ تم اگلے لوگوں کی یادگار تھے مگر تم نے کسی کو اپنا یادگار نہ چھوڑا۔ اور جن لوگوں کی نسبت خیال کیا جاتا ہے کہ وہ علم میں تمہارے خلف ٹھہریں گے وہ بجز توفیق خدا اور ع واتقا میں ممکن نہیں کہ تمہارے جانشین قرار پائیں۔ اور جب ''ابن جریج'' فقیہ مکہ کو آپ کی وفات کی خبر پہونچی تو بعد استرجاع کہا اَیُّ عِلْمٍ ذَهَبَ (۲) اور جب شعبہؒ نے سنا تو کہا: "طُفِئ عن الكوفة نور العلم أما أنهم لا يرون مثله أبدًا. (۳) یعنی کوفے سے نور علم بجھ گیا۔ اب اس کے مثل لوگ کبھی نہ دیکھیں گے۔

(۱) یعنی اللہ آپ پر رحم کرے آپ نے تیس سال سے افطار نہیں کیا یعنی مسلسل روزہ سے رہے، اور چالیس سال سے رات میں اپنے ہاتھ کو بھی تکیہ کے طور پر استعمال نہیں کیا۔ یہ منکر روایت ہے اور اس کی سند میں بعض غیر معروف راوی ہیں۔

(۲) آہ کیسا علم تھا جو رخصت ہو گیا۔

(۳) کوفہ میں علم کا نور بجھ گیا، اب اس کی نظیر لوگ کبھی نہیں پائیں گے۔

منامات حسنہ

اورعبداللہ بن میسرہ سے مروی ہے کہ ابوالحسن مقاتلؒ جواپنے وقت کے امام اہل تفسیر تھے میں ان کے حلقے میں بیٹھا تھا کہ ایک شخص نے بیان کیا آج میں نے صبح کوخواب دیکھا ہے کہ ایک مرد سفید کپڑے پہنے ہوئے آسمان سے اترا اور بغداد میں جوسب سے بڑا منارہ ہے اس پر کھڑا ہوا کر یہ ندا کرنے لگا(۱) یہ سن کے مقاتل نے کہا کہ اگر تمہارا خواب سچا ہے تو کوئی بڑا عالم دنیا سے مفقود ہو جائیگا۔ یکا یک امام ابوحنیفہؒ کی رحلت کی خبر پہنچی بولے، لوابوحنیفہؒ نے انتقال کیا اور رونے لگے۔''فوائدالمہمہ ''میں لکھا ہے کہ شیخ عبدالحمید سے مروی ہے کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ آسمان سے ایک ستارہ ٹوٹا اور کہا گیا کہ یہ ابوحنیفہؒ ہیں۔ پھر دوسرا ستارہ ٹوٹا تو کہا گیا کہ یہ مسعر بنؒ کدام ہیں پھر تیسرا ٹوٹا تو کہا گیا کہ یہ سفیانِؒ ثوری ہیں۔ چنانچہ پہلے امام ابوحنیفہؒ نے انتقال کیا پھر مسعرؒ نے پھر امام سفیان ثوری نے۔

"لواقح الانوار" میں شعرانی نے لکھا ہے:"رؤی رضی اللّٰہ عنه بعد موته فقیل له ما فعل الله بك فقال غفرلی"۔ یعنی کسی نے امام ابوحنیفہؒ کو بعد وفات خواب میں دیکھا تو پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ کیا۔ ارشاد فرمایا کہ میری مغفرت کی۔ اور خیرات الحسان وغیرہ میں لکھا ہے کہ بعض ابدال نے امام محمدؒ کوخواب میں دیکھا، پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا کیا بولے کہ ادھر سے ارشاد ہوا کہ اگر مجھ کو تجھ پر عذاب کرنا ہوتا تو تیرے دل کو ظرفِ علم نہ بناتا۔ پھر امام ابویوسفؒ کا حال پوچھا، کہا کہ وہ مجھ سے ایک درجہ اوپر ہیں۔ پھر امام ابوحنیفہؒ کا حال دریافت کیا کہا کہ وہ اعلیٰ علیین میں ہیں۔ اور ایک روایت میں ہے کہ ابویوسفؒ سے وہ کئی طبقے اوپر ہیں۔ اور خواجہ فریدالدین عطار قدس سرہ نے''تذکرۃ الاولیا''میں لکھا ہے کہ:

''شیخ بوعلی بنِ عثمان الجلالی گفت کہ بشام بودم برسرِ خاک بلال
مؤذن رضی للہ عنہ خفتہ بودم درخواب خود را در مکہ دیدم کہ پیغام مبر علیہ السلام

(۱)مَاذَ ا فَقَدَ الناس؟

ازباب بنی شیبہ درامد و پیرے رادر برگرفتہ چنانکہ اطفال رادر بر گیرند بشفقتے تمام من پیش دو یدم و بر پایش بوسہ دادم و در عجب آن بودم کہ ایں پیر کیست، پیغامبر علیہ السلام بحکم معجزہ در باطن من مشرف شد، گفت ایں امام مسلمانان واہل دیارتست ابوحنیفہؒ ''(۱)۔

اور''روض الفائق''میں لکھا ہے ''عن بعض الصالحين قال رأيت فی المنام كأنی دخلت الجنة فرأيت فی وسطها عمودا من نور ورأيت أربعة من الرجال يجرونه باربع سلاسل من الجهات الاربع وهو ثابت لا يتغير من مكانه فقلت بالله العجب لو جر هؤلاء من جهة و احدة فكان أسهل وسألت بعض الملائكة من ذلك فقال هذا العمود دين الاسلام وهؤلاء الذين يجرونه ائمة الا سلام الشافعیؒ وأحمدؒ وأبوحنيفةؒ ومالكؒ فقو لهم حق واختلا فهم رحمة المسلمين''۔ یعنی بعض صالحین سے مروی ہے کہ میں خواب میں جنت میں داخل ہوااوراس کے بیچ میں نور کا ایک ستون دیکھا، جس کو چار مرد چار زنجیروں سے ہر چہار طرف اپنی اپنی جانب کھینچ رہے ہیں، اور وہ اپنی جگہ سے ہلتا نہیں اپنے مقام پر قائم ہے، میں نے کہا کہ اگر یہ لوگ مل کے ایک طرف کھینچیں تو ٹھیک ہے، اس واقعے کو بعض ملائکہ سے دریافت کیا تو انہوں نے جواب دیا کہ یہ ستون دین اسلام ہے جس کو ائمۂ اسلام یعنی شافعیؒ واحمدؒ ابوحنیفہؒ و مالکؒ اپنی اپنی طرف کھینچ رہے ہیں، پس ہر ایک کا قول حق ہے اور ان کے آپس کے اختلافات مسلمانوں کے حق میں رحمت ہیں۔

اور علامہ ابن حجر مکی شافعی نے خیرات الحسان میں لکھا ہے کہ امام شافعیؒ جب بغداد گئے

(۱) ترجمہ: شیخ بوعلی عثمان بن جلال کہتے ہیں کہ میں ملک شام میں حضرت بلال مؤذن رسول (رضی اللہ عنہ) کی قبر کے پاس سور ہا تھا کہ اچانک دیکھتا ہوں کہ میں مکہ میں ہوں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم باب بنی شیبہ سے تشریف لائے اور ایک معمولی آدمی کا ہاتھ اس شفقت ومحبت سے پکڑا جیسے بچوں کا ہاتھ پکڑا جاتا ہے، میں نے دوڑ کر پائے مبارک کو بوسہ دیا، میں حیرت میں تھا کہ یہ آدمی کون؟ حضور پاک علیہ السلام پر بطور معجزہ میرا خیال باطن منکشف ہوگیا، آپ نے ارشادفرمایا یہ تمہارے علاقہ کے مسلمانوں کے امام ابوحنیفہ ہیں۔

اوران کو کوئی سخت حاجت پیش آتی تو دو رکعت نماز پڑھتے اور تبرکاً امام ابوحنیفہؒ کے روضۂ مبارک پر تشریف لاتے اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے، بہت جلد ان کی حاجت پوری ہو جاتی۔ اور بعض علماء نے یہ بھی لکھا ہے کہ امام شافعیؒ کو جو آپ کی قبر شریف کے آس پاس نماز پڑھنے کا اتفاق ہوا تو رفع یدین نہ کیا، بسم اللہ کو بالجہر نہ پڑھا اور نماز فجر میں امام شافعیؒ کا وہاں ترکِ قنوت کرنا تو اکثر علمائے شافعیہ نے نقل کیا ہے۔

قطب ربانی ''امام شعرانی شافعی'' نے میزانِ کبریٰ میں اس ترکِ قنوت کو موافقتِ اجتہاد پر محمول کر کے لکھا ہے: "ویکون ذلك من احد ی الکرامات الجلیلة المعدودة الإمام أبی حنیفة رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه"۔ یعنی امام شافعیؒ کو جو یہ واقعہ وہاں پیش آیا تو امام ابوحنیفہؒ کی کراماتِ جلیلہ میں سے یہ ایک کرامت تھی۔ اور نواب صدیق حسن خاں مرحوم کے بڑے بیٹے مولوی سید نور الحسن خاں نے رسالہ ''فیض رحمانی'' میں حضرت پیر و مرشد جامع شریعت غراء، مجمع طریقت بیضاء، معدن ایقان، مخزن عرفان جناب مولانا فضل رحمٰن مجددی (۱) گنج مراد آبادی مدظلہ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے جس کی تصدیق مؤلف نے بھی حضرت کی زبان مبارک سے سنی ہے کہ جو قرب امام اعظم کو اللہ تعالیٰ سے نظر آتا ہے کسی امام کو نہیں، اور امام بخاریؒ اور مسلمؒ ان کے رتبہ کو نہیں پاتے۔

الحاصل بلاشک امام ابوحنیفہؒ امام الائمہ "سراج الأمه" اکمل اولیاءاللہ، آیةٌ من آیات اللّٰہ ہیں، ان کے مدارج اور مدارک کا پایۂ بلند کچھ وہی شخص سمجھ سکتا ہے جس کو علمِ ظاہر کے ساتھ کشفِ باطن کی بھی دولت نصیب ہے، بیچارے ظاہریہ اور ملّایانِ خشک بجز مطاعنِ بیجا اور کیا جانیں۔

قدر گوہر شاہ داند یا بداند جوہری

(۱) آپ میں اتباع سنت یہاں تک ہے کہ تصور شیخ جو فی نفسہ جائز ہے اور حضرات نقشبندیہ کے معمولات سے ہے آپ کمال احتیاط کی وجہ سے تعلیم نہیں کرتے اور آپ کا قول یہ بھی ہے کہ میں نے کبھی یہ شغل نہیں کیا، اور امسال محرم میں جو مجھ کو شرف زیارت نصیب ہوا تو تعزیہ داروں کے حق میں آپ کی زبان سے کلمات سخت میں نے سنے اور ان کو مستحق درہ کہتے سنا، بعضوں نے جو تعزیہ داری کے بارے میں آپ کا قول کچھ اور نقل کر دیا ہے اور مورد طعن بنا دیا ہے وہ ہرگز قابل قبول نہیں۔

پہلے جناب امام عالی مقام کی قبر مبارک سنت کے موافق کچی بنائی گئی تھی، نہ اوپر قبہ تھا نہ عمارت تھی۔ رفتہ رفتہ جب اہلِ جہل کا شیوع ہوا لوگوں کے خیالات بدل گئے۔ تشیید قبور ورفعِ قباب کو باعثِ اظہارِ شوکتِ اسلام سمجھنے لگے تو ۴۵۹ھ میں شرف الملک ابو سعد محمد بن منصور مستوفی خوارزمی نے جنابِ امام کی قبر پر قبۂ عظیمہ بنوایا اور اس کے پہلو میں مدرسہ حنفیہ تیار کرایا۔ برابر آپ کی قبر شریف موقر رہی، جب اسمٰعیل بادشاہ اور اس کے احزاب شیعہ بغداد پر قابض ہوئے تو رافضیوں نے تعصب سے قبہ و مدرسہ منہدم کر کے اپنے دل کا غبار نکالا۔ وہاں گھوڑے باندھے۔ کوڑا کرکٹ ڈالا، حضرت محبوبِ ربانی سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ کے مزار شریف کے ساتھ بھی بے ادبیاں کیں، آخر اس کا نتیجہ یہ ظاہر ہوا کہ بہت جلد ان اشرار کا وہاں سے استیصال ہوا۔ بغدادِ شریف رافضہ کے فتنہ وفساد سے پاک ہوا، سلطان سلیمان بن سلیم خان المتوفی ۹۷۴ھ نے از سرِ نو دونوں حضرات کے مزارِ پاک پر قبے بنوائے، رفیع الشان عمارتیں تیار کرائیں، مشہد امام کے آس پاس مسافر خانے بنوائے، کتنے خدّام نوکر رکھے، آج تک وہی عالم ہے، لوگ برابر زیارت کو جاتے ہیں اور بہار لوٹتے ہیں:

قَبْـرُالإِ مَــا مِ اَبِـیْ حَنِیْفَةَ رَوْ ضَةٌ　　مِـنْ جَـنَّةِ الْـخُلْدِ الْمُنِیْرَةِ نَاضِرَه

فَهُـنَــا یَـنَــابِیْـعُ الْـعُلُوْمِ غَـزِیْـرَةً　　مِـنْ تَـحْتِهٖ وَالْمُکْرَ مَاتُ النَّادِرَه

وَصَـلَتُــهُ مِنْ رَّبِّ الْاَنَـامِ سَلَامَةٌ　　مَـا لَا حَ نَجْمٌ فِی السَّمَاءِ الزَّ اهِرَه

رَبَّنَا افْتَحْ بَیْنَنَا وَبَیْنَ قَوْ مِنَا با لحَقِّ وَاَنْتَ خَیْرُ الْفا تِحِیْنَ وَ احْشُرْ نا مَعَ الَّذِینَ اَنْعمْت عَلَیْهِمْ مِنَ النَّبِیّیْنَ وَالصِّدِّ یْقِیْنَ وَالشُّهَدَآء وَ الصَّا لِحِیْنَ۔

